حیوۃ النفس

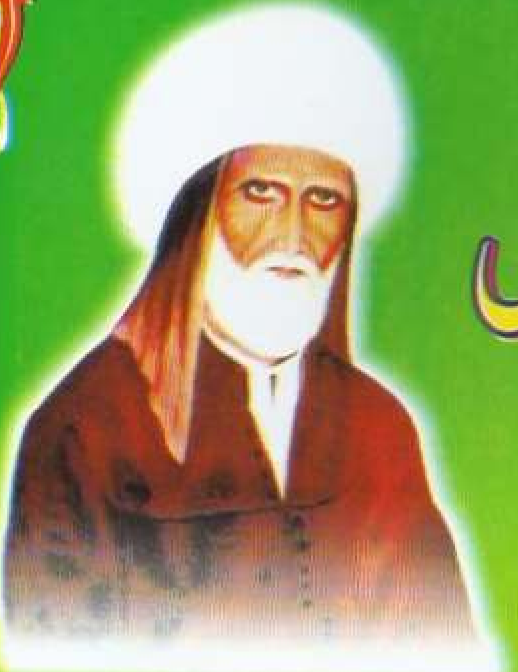

تصنیف لطیف

سرکار قائد العارفین رئیس العلماء والمتکلمین

الشیخ الاجل الاوحد الشیخ احمد بن زین الدین الاحسائی

اعلی اللہ مقامہ نور اللہ مرقدہ

تقدیم

السید محمد ابوالحسن الموسوی المشہدی

السیدمحمد ابوالحسن الموسوی المشهدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اصول دین کے موضوع پر دنیائے تشیع کی پہلی آنقلاب

آفرین وجامع ترین اعتقادی کتاب ندرت خطاب

حیوۃ النفس

فی

حظیرۃ القدس

قائد العارفین سلطان العلماء المتالھین

الشیخ الاجل الاحد الشیخ احمد بن زین الدین الاحسائی

اعلی اللہ مقامہ نور اللہ مرقدہ

تقدیم

السید محمد ابوالحسن الموسوی المشھدی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُمَّ كُنْ لِوَلِيِّكَ الْحُجَّةِ ابْنِ الْحَسَنِ الْمَهْدِيِّ

اے خدا حضرت حجت ابن الحسن مہدی

صَلَوَاتُكَ عَلَيْهِ وَعَلٰى آبَائِهٖ فِيْ هٰذِهِ السَّاعَةِ وَفِيْ

جن پر اور جن کے آباء اجداد پر تیرا درود و سلام ہو۔ کے لیے ہر دور

كُلِّ سَاعَةٍ وَلِيًّا وَحَافِظًا وَقَائِدًا وَنَاصِرًا وَدَلِيْلًا وَعَيْنًا

میں تو ہی ان کا والی ناصر اور نگہبان رہ اور اس وقت تک

حَتّٰى تُسْكِنَهٗ اَرْضَكَ طَوْعًا وَتُمَتِّعَهٗ فِيْهَا طَوِيْلًا

جب تک تو ان کو اس کرۂ ارض پر سلطنت و قدرت دے اور طویل مدت تک بندگان خدا کو فیضیاب فرمائے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی جعلنا من المتمسکین بولایۃ امیر المومنین الصلواۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد والہ الطاہرین لعنتہ اللہ علی اعداھم ومنکرین فضایلھم و مقصرین مقامھم الی یوم الدین۔

حرف اول

اعتقادات کا معاملہ نہایت ہی مہم اور نازک ہوتا ہے معمولی لغزش کہیں سے کہیں پہنچا سکتی ہے۔ محض سنی سنائی باتوں کو بنیاد بنانے سے منع کیا گیا ہے۔ ان پر اعتقاد کی بنیاد استوار نہیں کی جا سکتی بلکہ مکلف پر واجب ہے کہ وہ قرآن و حدیث سے تحقیق کی بنیاد پر عقیدہ حاصل کرے اور حکم معصوم ہے۔ جس نے قرآن حدیث سے اخذ کیا پہاڑ ہٹ سکتے ہیں مگر اس کے پائے ثبات میں جنبش نہ ہوگی اور جس نے افواہ رجال (سنی سنائی) پر اعتقاد بنایا۔ انھی پر اس کو چھوڑ دے گا چونکہ دنیاء آخرت کی سعادت درست و کامل اعتقاد سے مشروط ہے لہٰذا اعلماء شیعہ خیر البریہ نے ہمیشہ اس ضروری مسئلہ کو تحقیق انیق اور نظر عمیق سے مبراھن کر کے کتب تحریر فرمائی ہیں تاکہ عوام اعتقادی لغزش سے محفوظ رہ سکیں جن جلیل القدر علماء اعلام نے تعمیر ملت میں بنیادی کارھائے نمایاں سرانجام دیئے ان

پاک سیرت شخصیات مقدسہ میں ایک عظیم المرتبت عبقری شخصیت قائد العارفین الشیخ الاجل الاوحد الشیخ احمد بن زین الدین الاحسائی قدس اللہ سرہ ہیں آپ مذہب حقہ شیعہ خیر البریہ کے عظیم الشان اور جلیل القدر عالم ربانی گذرے ہیں جنہوں نے اپنے مبارک قلم کے لازوال نقوش چھوڑے ہیں ان میں سے ایک کتاب حیوۃ النفس فی حظیرۃ القدس ہے اصول دین پر یہ جامع ترین کتاب ہے۔ اصول دین پر جتنی کتب تحریر ہوئی ہیں اس صحفیہ نوریہ اعتقادیہ کے بعد منصۂ شہود پر آئی ہیں۔اس عظیم عالم ربانی کے حالات کتب معتبرہ جو سیرت علماء کے حوالے سے لکھی گی ہیں ان میں میں عقل سلیم وطبع مستقیم رکھنے والے صاحبان ایمان وانصاف نے آپ کو زبردست خراج تحسین پیش فرمایا ہے

سرکار قدوۃ العلماء المحدثین میرزا محمد بن عبدالنبی نیشاپوری اعلی اللہ مقامہ فرماتے ہیں۔

احمد بن زین الدین الاحسائی القاری فقیه محدث عارف وحید فی معرفته الاصول الدینیته له رسائل و ثیقه اجتمنا معه فی مشهد الحسین لا شك فی ثقته وجلا لته:۔

ملاحظہ فرمائیں روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات ج اول ص ۹۱ مطبوعہ ایران شیخ احمد بن زین الدین الاحسائی قاری فقیہ محدث اور عارف ہیں

اور اصول دین کی معرفت میں بے مثال ہیں آپ کی کتب رسائل قابل اعتماد محکم اور معتبر ہیں ہم ان کے ساتھ مشہد امام مظلوم حسین علیہ السلام میں مقیم رہے ہیں ان کے ثقہ ہونے اور جلالت علمیہ میں کوئی شک نہیں۔

ملا محمد بن سلیمان تنکابنی تحریر فرماتے ہیں۔

شیخ احمد احسائی قدس اللہ سرہ اپنے عہد کے سردار اور تمام علماء حقہ کے نزدیک مسلم شخصیت تھے ہر شہر میں ان کی اطاعت ہوتی تھی سلطان عصر مرحوم فتح علی شاہ قاچار آپ سے بہت عقیدت رکھتے تھے انہوں نے آپ سے کئی علمی سوالات پوچھے جن کا شیخ موصوف نے علمی جواب دیا اور ایک پورا رسالہ ان سوالات کے جواب میں تالیف فرمایا شیخ احمد احسائی طاب ثراہ جس شہر میں بھی تشریف لے گئے وہاں علماء اعلام نے آپ کی تعظیم وتکریم کی اور آپ کی اقداء میں نماز بھی ادا کی۔ ملاحظہ فرمائیں قصص العلماء ص مطبوعہ ایران۔

سرکار افقہ الفقہا والمجتہدین آیۃ اللہ السید محمد باقر الموسوی الخوانساری اعلی اللہ مقامہ فرماتے ہیں۔

منجملہ ان لوگوں کے جو حضرت امیر المومنین سر اللہ فی العالمین علیہ السلام کے اسرار ورموز کے حامل اور حکماء کے ترجمان اور صاحبان معرفت اور متکلمین کی زبان اور اپنے عہد کی عزت اور اپنے عصر کے عظیم فلسفی اور ایسے عالم

جو علوم کے تمام مطالب و معانی اور جملہ علوم کے اسرار پر مطلع تھے وہ ہمارے بزرگ شیخ احمد بن شیخ زین الدین بن شیخ ابراہیم احسائی ہیں اس دور میں کوئی بھی ان کے مثل پیدا نہیں ہوا وہ بے مثل ہیں اور اپنی علمی معرفت فہم بزرگی پختگی اور دور اندیشی حسن سلیقہ حسن طریقت کثرت معنویت علوم عربیہ اخلاق عالیہ نورانیہ پسندیدہ اطوار علمی و عملی حکمت فصاحت عمدہ تعبیر اور تقریر کے دل آویز طرز بیان میں کوئی بھی ان کے مثال نہیں اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ سے پر خلوص والہانہ محبت و مودۃ رکھتے تھے اس کے باعث بعض بدگمان علماء نے ان پر افراط اور غلو کا الزام عائد کر دیا تھا۔ انه لا شك من اهل الجلا لته و علو" لیکن ان کی عظمت جلالت اور بلندی مقام میں کوئی شک نہیں۔ ملاحظہ فرمائیں روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات جلد اول ص ۸۹ مطبوعہ ایران۔

خداوند کریم ہمیں راسخ العقیدہ عارف کامل موالی علما اعلام سے علمی فیض اخذ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور شیخ اوحد مرحوم طاب ثراہ کی روح مقدس کو ہم پر راضی اور مددگار بنائے۔

آمین بحق محمد والہ الطاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

السید محمد ابوالحسن الموسوی المشہدی
فون نمبر 4443094-51-92-00 موبائل 0300-5090814
بیت الزہرا 494/4-8/4-I اسلام آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

الحمد لله رب العلمين وصلى الله على محمد واله الطاهرين امابعد:

پس بندہ مسکین احمد بن زین الدین الاحسائی عرض کرتا ہے کہ مجھ سے بعض ان بھائیوں نے التماس کیا، جن کی اطاعت مجھ پر لازم تھی، کہ ان کے لئے میں اصول دین یعنی توحید، عدل، نبوت، امامت، قیامت، اور ان کے متعلقات کے بارے میں رسالہ تالیف کروں، جن کی معرفت مکلفین پر واجب ہے۔ اگرچہ اجمالی دلیل کے ساتھ ہی ہو نہ کہ تقلید کے ساتھ، جیسا کہ ظاہر ہے اور ایسا انداز اختیار کروں جس کے عوام الناس متحمل ہوسکیں، پس میں نے ان کی فرمائش قبول کر لی۔ اگرچہ کام بہت زیادہ ہیں اور مصروفیات کافی ہیں اور مسلسل بیماریاں لاحق ہوں کیونکہ مشکلات کے باعث آسان امور کی انجام دہی ساقط نہیں ہوتی اور تمام امور کی بازگشت خدا کی طرف ہے اور میں نے اس رسالہ کو "حیوۃ النفس" فی حظیرۃ القدس" کے نام سے موسوم کیا اور اس کو پانچ ابواب اور ایک خاتمہ پر مرتب کیا اور ہر باب چند فصول پر مشتمل ہے۔

مُقدمہ

یہ جان لو کہ اللہ تعالٰی نے بندوں کو عبث اور بلا فائدہ خلق نہیں فرمایا کیونکہ وہ صاحب حکمت ہے اور حکیم ایسا کام نہیں کرتا جس میں فائدہ نہ ہو اور کیونکہ اللہ تعالٰی بے نیاز اور غیر محتاج ہے اور محتاج حادث ہے، اُس نے مخلوق کو خلق فرمایا جس کا فائدہ مخلوق ہی کو حاصل ہے تاکہ وُہ ان کو ابدی سعادت تک پہنچائے اور یہ چیز اس پر منحصر ہے کہ وُہ ان کو ایسی شرعی تکالیف کا پابند کرے جو ان کے لئے ابدی سعادت کے استحقاق کا سبب قرار پائیں اگر وہ ان کو مکلف قرار نہ دیتا تو وہ کسی سعادت کے مستحق نہ ہوتے اور اگر وہ بغیر عمل کے ان کو کچھ دیتا تو اس کی یہ بخشش فضول ہوتی۔ حالانکہ اللہ تعالٰی کا حکیم و دانا ہونا ثابت ہے جیسا کہ اُس کا ارشاد ہے: ''کیا پس تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ ہم نے تم کو عبث خلق کیا اور تمہاری بازگشت ہماری طرف نہ ہوگی''۔[1]

اور جب اُس نے اپنی مخلوق کرنے کا ارادہ کیا تو ان پر از روئے کرم نعمت نازل کی کیونکہ وہ اس کی نعمت ہی کے سبب کچھ بن سکتے ہیں اور جب ان کو نعمتوں کے ساتھ مخصوص فرمایا تو ان پر اپنے مُنعم کا شکر واجب ہو گیا اور بندوں کے لئے اس کی

---

[1] سورۃ المومنون: آیت: ۱۱۵، پ: ۱۸)۔

نعمتوں کا شکر اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ وُہ اس کی معرفت حاصل نہ کر لیں تا کہ وہ اُس کے متعلق ایسی بات نہ کریں جو اس پر جائز نہ ہو۔ پس اس کی نعمتوں کا شکر اس کی معرفت پر موقوف ہے اور اُس کی معرفت اُس کے آثارِ خلقت میں غور و خوض کرنے پر منحصر ہے اور نظر و تفکر خاموشی پر ہے یعنی دل کے ساتھ مخلوقات سے روگردانی کرنا۔ پس مکلفین پر تمام واجبات میں پہلا واجب یہ ہے کہ وہ خاموشی اختیار کریں جیسا کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب بندہ مخلوق سے خاموشی (یعنی رُوگردانی) اختیار کر لیتا ہے تو نظر و فکر پر تمکن حاصل کر لیتا ہے اور وُہ واجب ثانی ہے اور اسی کے ذریعے سے معرفت کی استطاعت حاصل ہوتی ہے۔ پس جب مکلّف نے واجب اوّل ترک کر دیا، اُس نے واجب ثانی بھی ترک کر دیا اور جس نے اس کو ترک کیا اُس نے اللہ کی معرفت اور اس کی توحید اور عدل اور انبیاء کی نبوت اور خلفاء انبیاء کی امامت کو بھی ترک کر دیا اور معرفت معاد اور ارواح کے بدنوں کی طرف واپس آنے کے اعتقاد کو بھی ترک کر دیا اور جو اس کو ترک کرے وہ مومن نہیں ہے بلکہ مسلمان بھی نہیں اور کافرین کے گروہ میں شمار ہے اور دردناک اور دائمی عذاب کا مستحق ہے اور معرفت سے مراد وہ معرفت ہے جس کے بغیر اسلام ثابت نہیں ہوتا یعنی ایسے صانع کے وجود پر اعتقاد رکھنا جو کہ مصنوع نہیں ہے اور اس کی ان صفات کی معرفت جو کہ اُس کے لئے بالذات ہیں اور بلکہ اس کی عین ذات ہیں ورنہ تعدد

قدماء وصفات لازم آئے گا۔ جو صفات اُس کے افعال کے لئے ثابت ہیں اور اس کے لئے ان صفات کی معرفت بھی ضروری ہے جو اس پر جائز نہیں ہیں کیونکہ وہ اس کی مخلوق کی صفات ہیں اور وہ صفات جو اس کے افعال پر جائز نہیں کیونکہ وہ اس کی مخلوق کے افعال کی صفات ہیں اور اس کے عدل کی معرفت، کیونکہ وہ غنی مطلق ہے اور کسی شئے کا محتاج نہیں ہے اور عالم مطلق ہے اور کسی شئے سے جاہل نہیں ہے اور آنحضرت ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام انبیاء کی نبوت کی معرفت، کہ وہ اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان وسائط ہیں اور اس کی طرف سے بندوں کے لئے مبلغ ہیں اور ان کے خلفاء علیہم السلام کی معرفت، کیونکہ وہ ان کی شریعتوں کے محافظ ہیں اور ان کے بعد اللہ کی حجتیں ہیں اور حشر میں مکلفین کے مالک روز جزاء کی طرف محشور ہونے کی معرفت، جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے کہ یہ اللہ نے اپنے بندوں کو تعلیم دی ہے اور اس کی معرفت حجج علیہم السلام کی زبانوں سے ملنے والی تشریحات کے مطابق ہونی چاہئے اور یہ بھی ضروری ہے کہ یہ معرفت دلیل کے ساتھ ہو اگر اجمالی ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اول

توحید

اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے کا بیان

ہر مکلف پر واجب ہے کہ یہ معرفت رکھے کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ، موجود ہے کیونکہ اُس نے عالم کو ایجاد کیا اگر وہ معدوم ہوتا تو وہ غیر کو بھی ایجاد نہ کرسکتا اور حق تعالیٰ ہمیشہ کے لیے باقی ہے۔ کیونکہ اس کے آثار تازہ بتازہ ہیں۔ اور اثر از خود وجود میں نہیں آتا جب تک کہ کوئی موثر اس کو ایجاد نہ کرے۔ پس اثر موثر پر دلالت کرتا ہے اور وہ اللہ ہے۔ اور یہ صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ متغیر ہو۔ یعنی اس کے موجود اور باقی اور موثر در غیر ہونے میں تبدیل واقع ہو۔ ورنہ وہ اپنی دیگر مخلوق کی طرح متغیر اور فانی ہوگا اور اس کا وجود غیر کا محتاج ہوگا اور وہ حادث ہوگا جو اپنے ایجاد کنندہ کا محتاج ہوگا۔ پس جب ہم آثار کو دیکھتے ہیں تو یہ بات پاتے ہیں کہ وہ کسی موثر کے مُوجد پر دلالت کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ سبحانہ ہے۔ اور اس استدلال کی مثال ہم یوں دیتے ہیں کہ چراغ کی شعاعیں اس وقت تک موجود رہتی ہیں جب تک کہ ان کا موجود باقی رہتا ہے۔ اور وہ خود چراغ ہے۔ اگر وہ ہو تو یہ شعاعیں نہ ہوں اور وہ ہر حال میں اس کی محتاج ہیں۔ اور اس پر یہ دلیل موجود ہے کہ چراغ ہی ہمیشہ شعاعوں کا موجود ہے اور وہ اس کی محتاج ہیں اور ایک لحظہ بھی اس کے بغیر وہ نہیں پائی جاتیں۔

اور اس کے ظہور کے ساتھ یہ مفقود نہیں ہوتی اسی طرح تمام مخلوقات جو کہ اللہ تعالیٰ کے صانع ہونے کی نسبت سے اس کے آثار ہیں، وہ بھی اسی طریقہ سے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

وللّٰہ المثل الاعلیٰ

اور اللہ ہی کے لئے مثل اعلیٰ ہے۔

فصل

باری تعالیٰ کا قدیم ہونا

اور ہر مکلف پر واجب ہے کہ وہ یہ اعتقاد رکھے کہ خداوند عزّ وجل بالذات قدیم ہے اور کسی حال میں بھی اس پر عدم جاری نہیں ہوا اور نہ ان سے پہلے کوئی غیر موجود تھا کیونکہ اگر وہ قدیم نہ ہوگا تو حادث ہوگا جبکہ قدیم اور حادث کے مابین کوئی واسطہ معقول نہیں ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ باری تعالیٰ حادث نہیں ہے کیونکہ ہر حادث کے لئے کوئی نہ کوئی حادث کنندہ لازم ہے اور اگر وہ قدیم نہ ہوگا تو بعض احوال میں اُس پر عدم جاری ہوگا اور اُس کے احوال مختلف ہوں گے اور جس کے احوال مختلف ہوں وہ حادث ہے اور اپنے موجد کا محتاج ہے اور اگر وہ

قدیم نہ ہوگا تو حادث ہوگا اور اس سے قبل ایک حادث کنندہ تسلیم کرنا پڑے گا جو اس میں اثر انداز ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے اور چونکہ اگر وہ بذاتہ قدیم نہ ہوگا تو اس کا وجود وغیرہ سے مستعار ہوگا اور اس صورت میں وہ غیر کا محتاج ہوگا۔

فصل

دائم ابدی ہونا

اور یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ باری تعالیٰ دائم ابدی ہے کیونکہ وہ واجب الوجود لذاتہ ہے یعنی اس کا وجود ہی بلا مغایرت اُس کی ذات ہے۔ پس وجود بالذات دوام ابدی کو مستلزم ہوتا ہے۔ کیونکہ قدم اور ازل اور دوام اور اوّلیت بلا اوّل بالذات اور آخریت بلا آخر بالذات، یہ سب ایک ہی چیز ہیں اور ذات، واقعیت اور مفہوم کے لحاظ سے ان میں کوئی مغایرت نہیں ہے ورنہ لازم آئے گا وہ خداوند متعال مختلف ہو اور حادث ہو۔ اور مفہوم میں ان الفاظ کا مختلف ہونا لفظی اور ظاہری اعتبار سے ہے جس کو عوام و مکلفین کے سمجھانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور ان الفاظ متعددہ مختلفہ سے ایک ہی مفہوم مراد لیا جاتا ہے اور اس سے ایک ہی معنیٰ کا قصد کیا جاتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو لازم آئے گا کہ وہ کثرت اور اختلاف کیساتھ متصف ہو اور حادث بن جائے۔ پس میرا یہ کہنا کہ وہ مستلزم دوام ہے، یہ

ایک لفظی عبارت ہے تو محض تفہیم کے لئے ہے۔ اور ہم ان میں سے ہر ایک سے وہی معنی مراد لیتے ہیں جو دوسرے سے مراد لیتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کو مختلف صفات سے متصف کرنا لازم آتا۔ اور اگر وہ اس طرح ہوگا تو حادث ہوگا۔

فصل

باری تعالیٰ کا عالم ہونا

اور یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ وہ باری تعالیٰ عزوجل عالم ہے جس پر دلیل ہے کہ اس نے اپنی مخلوقات میں علم کو خلق فرمایا اور عالم صفت علم سے متصف ہوتا ہے اور جو خود عالم نہ ہو اس کے لئے یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ عالم کو خلق کرے اور اس میں صفت علم کو ایجاد کرے۔ اور کیونکہ اُس نے افعال محکم و متقن انجام دیئے ہیں جو کہ نہایت ہی حکمت اور استقامت کے تقاضا کے مطابق جاری ہیں اور جو خود عالم نہ ہو اس سے قسم کے افعال صادر نہیں ہوتے۔ اور اُس کے علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک علم قدیم، اور ایک اس کا خلق کردہ علم حادث، جو کہ الواح مخلوقات یعنی قلم، لوح، نفوس خلائق میں ہے۔ پس علم قدیم اُس کے لئے عین ذات ہے جس کے لئے اعتباری مغایرت بھی فرض نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ اگر یہ علم حادث ہوتا تو لازم آتا کہ باری تعالیٰ اس کے حدوث سے قبل اس سے خالی ہو۔ پس واجب ہوا کہ وہ قدیم ہو، پھر وہ اس سے خالی نہیں کہ یا تو وہ مغایرت اس کی ذات ہوگا یا نہ

ہوگا۔ اگر اس کے لئے بالذات و بلا مغایرت ہو تو مطلوب ثابت ہوا اور اگر غیر ذات ہو تو تعدد قدماء لازم آئے گا جو کہ باطل ہے۔ لیکن علم حادث، پس وُہ حدوث معلوم کے ساتھ ہی حادث ہے۔ کیونکہ اگر وہ معلوم سے قبل ہوگا تو علم نہ ہوگا۔ کیونکہ حادث علم کے تحقق و تعلق کے لئے شرط ہے کہ وہ معلوم کے مطابق ہو اور اگر معلوم ہی موجود نہ ہوگا تو مطابقت ہی نہ ہوگی جو کہ شرط ہے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ معلوم کے ساتھ پیوستہ ہو اور اس سے قبل یہ پیوستگی متحقق نہیں ہو سکتی۔ اور یہ علم حادث اس کا فعل ہے اور اس کی جملہ مخلوقات میں سے ہے۔ اور ہم نے کتاب اللہ کی اقتداء اور اپنے ائمہ معصومین علیہم السلام کی اتباع کرتے ہوئے اس کا نام علم رکھا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

"اس کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں ہے اور میرا رب نہ گمراہ ہوتا ہے اور نہ بھولتا ہے"۔[۱]

"اور ہم نے جانا جو کچھ زمین ان میں سے کم کرتی ہے اور ہمارے پاس ایک حفاظت کرنے والی کتاب ہے"۔[۲]

---

[۱] سورۃ طٰہٰ: ۵۱، پ: ۱۶)۔

[۲] سورۃ قٓ: ۴، پ: ۲۶)۔

از: مترجم

علم باری کے متعلق شیخ کے نظریہ کی وضاحت

صفت ذاتی اور صفت فعلی میں فرق یہ ہوتا ہے کہ صفت ذاتی کی کسی صورت میں نفی نہیں ہوسکتی او وہ کسی اور کسی شرط کے ساتھ مشروط نہیں ہوتی۔ چنانچہ قدیم ہونا، حی ہونا، قادر ہونا، یہ باری تعالٰی کی صفاتِ ذاتی ہیں اور خلق، رزق، ارادہ، صفات فعلی ہیں۔ علم اللہ تعالٰی کی صفت ذات بھی ہے، یعنی وہ ہمیشہ سے عالم ہے مگر وقوعِ فعل کے ساتھ انطباق کے لحاظ سے صفتِ فعل بھی ہے جس پر قرآن مجید کی متعدد آیات دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً:

الان خفف الله عنکم و علم ان فیکم ضعفا فان یکن منکم مائة صابرة یغلبوا مائتین [1]

اب اللہ تعالٰی نے تم پر تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ تم میں کمزوری ہے پس اگر تم میں سے ایک سو آدمی صبر کرنے والے ہوں۔

---

[1] سورۂ انفال، آیت: ۶۶، پ: ۱۰)

توہ وہ دوسو پر غالب آجائیں گے۔

اگر یہاں پر علم سے مراد علم ذاتی ہو تو لازم آئے گا کہ پہلے خدا کو مسلمانوں کی کمزوری کا علم نہ تھا اسی وجہ سے یہ حکم منسوخ کرنا پڑا۔ یعنی:

ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین ۲

اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو پر غلبہ پالیں گے۔ اور یہ بارگاہ توحید میں نقص ہوگا۔ اور ایک مقام پر ارشاد ہے:

ان یعلم اللہ فی قلوبکم خیراً یوتکم خیرا مما اخذ منکم۔ ۳

اگر خدا نے یہ معلوم کر لیا کہ تمہارے دلوں میں بھلائی ہے تو وہ تم اس سے بہتر دے دے جو تم سے لیا گیا ہے۔

اگر یہاں پر علم سے صفت ذاتی مراد لی جائے تو صفت ذاتی بشرط شئے نہیں ہوتی بلکہ لا بشرط بشئی ہوتی ہے۔ اسی تقسیم کے تحت احادیث میں اللہ کے

۱۔ سورۂ انفال، آیت: ۶۵، پ: ۱۰۔

۲۔ سورۂ انفال، آیت: ۷۰، پ: ۱۰)

علموں کو دو قسموں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ امام محمد باقرؑ سے مروی ہے:

ان لله علما خاصا وعلما عاما فاما العلم الخاص فالعلم الذی لم یطلع علیه ملائکة المقربین و انبیا ئه المرسلین وما علی العالم فانه علمه الذی اطلع علیه ملائکته المقربین وانبیاء المرسلین۔[1]

اللہ تعالیٰ کے دو علم ہیں: ایک علم خاص جو اسی کے ساتھ مخصوص ہے اور اس نے اس پر کسی فرشتہ مقرب اور نبی مرسل کو مطلع نہیں کیا۔ اور علم عام، جس پر اُس نے اپنے ملائکہ مقربین اور انبیاء مرسلین کو مطلع کیا ہے:

یہ حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ اگر اللہ کا علم صرف ذاتی ہوتا تو صفتِ ذاتی عین ذات ہوتی ہے اور کسی کو دی نہیں جا سکتی پھر اللہ نے اپنا علم لوحِ محفوظ یا ملائکہ یا انبیاء کو کس طرح دے دیا۔ اللہ کو ازل سے ہر چیز کا علم ہے مگر وجود معلوم کے بعد علم کا اس پر انطباق ہوتا ہے۔ اور محشی کتاب التوحید علامہ ہاشم محلاتی بھی

---

[1] کتاب التوحید: ص: ۱۳۸، طبع ایران، شیخ صدوق

اعتراف کرتے ہیں کہ اس انطباق کو علم ذاتی کے مقابلہ میں علم فعلی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ شیخ صدوق نے کتاب التوحید کے باب: ۱۱، میں صفات ذات و صفات کے بیان میں علم، سمع، بصر[۲]، کلام وغیرہ کو ذات فعلیہ میں شمار کیا ہے۔ اسی وجہ سے شیخ مرحوم نے بھی قرآن وحدیث کی رُو سے علم خدا کی دونوں اقسام کو بیان کیا ہے۔ یہ تشریح اس لئے ضروری ہے کہ بعض لوگوں نے شیخ پر الزام لگایا ہے کہ وہ علم خدا کو حادث قرار دیتے ہیں: یہ الزام اس تشریح سے ناواقفیت کی بنا پر لگایا گیا ہے۔ ــــــــــ فافہم وتدبر ــــــــــ!

۲۔ حضرت آقائے خمینی نے بھی شرح دعائے سحر، ص: ۱۲۶، ۱۲۷، سمع و بصر کو علم خدا میں شمار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ مخلوق ومظاہر پر واقع ہونے کی صورت میں یہ اس جدا ہو جاتی ہیں اور ذاتی نہیں رہتیں۔

فصل

باری تعالیٰ کا قادر ومختار ہونا

اور یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ خدائے عز وجل قادر ومختار ہے اور وہ قادر اس لئے ہے، چونکہ غنی مطلق ہے اور اس کے ماسوا ہر چیز اس کی محتاج ہے۔ کیونکہ تمام اشیاء کا وجود اس کے فعل پر موقوف ہے اور کوئی شئے از خود وجود میں نہیں آئی ورنہ وہ دائمی طور پر اس سے مستغنی ہوتی اور چونکہ وہ ہر شئے پر قادر ہے اس لئے اُس نے ہر شئے کو اتنا ہی عطا کیا ہے جتنا کہ اشیاء کی زبان استعداد نے اُس سے طلب کیا۔ اور اگر وہ قادر نہ ہوتا تو کسی شئے کو خلقت عطا نہ کرتا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اس کو جس چیز کی ضرورت تھی اس کے حصول سے یا بعض سے عاجز ہوتا اور ہر عاجز قادر کا محتاج ہے اور اس صورت میں لازم آتا کہ باری تعالیٰ حادث ہے اور اس کا صاحب اختیار ہونا اس سبب سے ہے کہ اُس نے اختیار اور صاحب اختیار کو خلق کیا۔ اور جو خود مختار نہ ہو اس سے مختار کا صدور نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اُس نے اپنی بعض مصنوعات سے مؤخر کر دیا۔ حالانکہ وہ مؤخر کو مقدم کرنے پر قادر تھا۔ بعض مقدمات کی تاخیر اس وجہ سے ہے کہ اس کی ذات کی نسبت تمام اشیاء کی طرف مساوی ہے۔ اور اگر وہ فاعل موجب ہوتا تو اُس کے آثار میں سے کوئی سے متخلف نہ ہوتی۔

فصل

علم خدا کی جامعیت

اور یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ باری تعالیٰ ہر معلوم کا علم رکھنے والا ہے اور مقدور پر قادر ہے۔ کیونکہ اس کی طرف محتاج ہونے میں تمام معلومات و مقدورات کی نسبت اس کی طرف برابر ہے اور اس کی ذات اس کے ماسوا کی ہر شئے سے بے نیاز ہے۔ پس کوئی شئے دوسری سے اولی نہ ہوگی اور اگر باری تعالیٰ بعض اشیاء کا عالم ہوتا اور بعض کا عالم نہ ہوتا، اور بعض اشیاء پر قادر ہوتا اور بعض پر قادر نہ ہوتا تو اس کی نسبت اشیاء کی طرف مختلف ہوتی اور جس کے احوال اور نسبتیں مختلف ہوں وہ متغیر ہوتا ہے۔ اور باری تعالیٰ اس سے بلند تر ہے۔

فصل

باری تعالیٰ کا سمیع و بصیر ہونا

اور یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ خداوند تعالیٰ بغیر آلہ کے سننے والا ہے اور بغیر عضو بصارت کے دیکھنے والا ہے۔ کیونکہ ماسوا اللہ تمام اشیاء اس کے امر سے قائم ہیں اور یا بالذات و یا بالتقدیر اس کی صناعت سے صادر ہیں اور منجملہ ان مصنوعات کے مسموعات بھی ہیں۔ پس تمام مصنوعات حضرت حق کے نزدیک اس

کے اس ملک میں حاضر ہیں جس کو اُس نے اپنے امر اور فعل کی قومیت سے قائم کیا ہے۔ جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:

''اور تم اپنے قول کو چھپاؤ یا ظاہر کرو، وہ سینوں کے رازوں سے آگاہ ہے۔ اور آگاہ رہو کہ اُس نے جو کچھ خلق کیا ہے وہ اس کا علم رکھتا ہے'' (سورۃ الملک پارہ: ۲۹)

پس اس کا مسموعات کو سننا اس بات سے عبارت ہے وہ اس کے نزدیک حاضر ہیں اور اس کا علم اُن کے بارے میں فی الواقع اور براہ راست ہے اور کسی آلہ سے حاصل نہیں ہے ورنہ مسموعات کے ادراک میں وہ آلہ کا محتاج ہوگا۔ حالانکہ یہ بات ثابت ہے کہ وہ غنی مطلق ہے اور یہ علم اس کو اس وجہ سے حاصل ہے کہ وہ اشیاء اس کے نزدیک حاضر ہیں جبکہ اس کے امر سے قائم ہیں اور اس کے علاوہ ان کے لئے کوئی اور حال نہیں ہے ورنہ لازم آئے گا کہ وہ اس کے امر کے بغیر بذات خود قائم ہوں، اور یہ باطل ہے اور یہ حضور اُس کے لئے ان اشیاء کا علم حضوری ہے اور اس کی سمع حضوری ہے لیکن اس کی صفت سمع قدیم، تو وہ اس کی ذاتی ہے۔ وہ تمام اشیاء کے لئے اُن کے اماکن میں احاطہء علمی رکھتا ہے مگر یہ سمع اُس کی ذات میں زائد بر ذات نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ وہ محل حوادث ہو اور اس کی بصر اور مبصرات کے متعلق اس کے ادراک تمام احوال میں اس کی سمع میں کلام کی مانند ہے اور اس کی صفتِ سمع و بصرِ قدیمی اس کے لئے عین ذات ہیں اور تعدد صرف الفاظ میں

ہے جیسا کہ علم کے متعلق گزر چکا ہے۔ کیونکہ سمع و بصر و علم ایک ہی شے ہیں اور ان کے متعلقات میں تعدد ہے۔ کیونکہ مسموع اصوات و آواز میں ہیں اور بصر رنگ اور اعراض ہیں اور معلوم موجودات ہیں۔

فصل

باری تعالیٰ کا واحد لاشریک ہونا

اور یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ باری تعالیٰ واحد لاشریک ہے کیونکہ وہ کامل مطلق اور غنی مطلق ہے۔ پس اس کے ماسوا ہر مخلوق اس کی محتاج ہے۔ پس وہ اپنی الوہیت کے ساتھ متفرد ہوگا۔ اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ اُس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے تو واجب ہوگا کہ وہ حق تعالیٰ سے بے نیاز ہو ورنہ وہ خدا ہی نہ ہوگا اور اگر بالفرض وہ اس کا شریک ہوگا اور اس کا محتاج بھی ہوگا تو لازم آئے گا کہ وہ اپنے کمال مطلق کے سبب اس بات سے اکمل ہو کہ وہ شریک باری تعالیٰ سے مستغنی ہو اور اپنے غنائے مطلق کی بدولت تمام تر ہو پس ایسے شریک کا وجود فرض کرنا جو حق تعالیٰ سے مستغنی ہو اُس کے کمال و غناء میں نقص ہے۔ پس اُس کا کوئی شریک نہ ہوگا۔ کیونکہ تعدد کمال میں حصول، نقص کو مستلزم ہے، کہ حدوث کو مستلزم ہے اور چونکہ اگر ازلیت میں کوئی اس کا شریک ہوگا تو واجب ہوگا کہ ان کے درمیان قدیماً وجودی فاصلہ ہو جس کے بغیر دوئیت متصور نہیں ہوتی۔ پس اس طرح یہ تین وجود

لازم آئیں گے اور ان تینوں کے درمیانی فاصلے بھی قدیمی شمار کیے جائیں تو یہ پانچ بن جائیں گے اور اسی طرح یہ سلسلہ لامتناہی بن جائے گا اور یہ باطل ہے۔ اور اگر کوئی اس کی ازلیت میں اس کے ساتھ شریک ہو گا تو دونوں ازل میں مشترک ہو نگے اور ہر ایک کسی ایسی صفت سے مختص ہو گا جو اس کو دوسرے سے ممتاز کردے۔ پس یہ دونوں اپنی مشترکہ مخصوص اور قابل امتیاز صفات سے مرکب ہو نگے اور ہر مرکب حادث ہے اور چونکہ اگر کوئی اس کے ساتھ ازلیت میں شریک ہوگا تو ہر ایک اپنی صنعت کو دوسرے کی صنعت سے ممتاز کرے گا ورنہ شرکت ثابت نہ ہوگی اور ہر ایک کی ذات کا تقاضا ہوگا کہ وہ دوسرے سے برتری حاصل کرے، ورنہ وہ خدا ہی نہ ہوگا۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

''ورنہ ہر خدا اپنی مخلوق کو لئے پھرتا اور بعض بعض پر برتری حاصل کرتے''۔[1]

---

[1] سورہ مومنون: آیت: ، پارہ: ۱۸)

اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ چار مراتب میں واحد ہے اور اُس کا کوئی شریک نہیں۔

اوّل: اُس کی ذات میں اُس کا کوئی شریک نہیں، جیسا کہ اللہ نے کہا:

''دو خدا نہ بناؤ، وہ ایک ہی خدا ہے''۔[۱]

دوم: اس کی صفات میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ جیسا کہ اُس نے فرمایا:

''اُس کی مثل کوئی شے نہیں ہے۔ اور سُننے اور دیکھنے والا ہے۔'' [۲]

سوم: اس کی صنعت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے، جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:

''یہ اللہ کی مخلوق ہے۔ پس تم مجھے دکھاؤ کہ اس کے ماسوا دیگر تمہارے بنائے ہوئے خداؤں نے کیا خلق کیا۔'' [۳]

چہارم: عبادت میں اس کا کوئی شریک نہیں، ارشاد ہے:

''پس جو اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہو چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔[۱]

۱۔ سورۂ النحل: آیت: ۵۴)۔

۲۔ سورۂ الشوریٰ: آیت: ۹)

۳۔ سورۂ لقمان: آیت: ۱۰)

۴۔ کہف آیت: پ: ۱۶'۱

فصل

اللہ تعالیٰ کا مدرک ہونا

اور یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ مدرک ہے۔ یعنی ہر شئے پر احاطہ رکھنے والا اور ہر شئے پر غالب ہے اور یہی ادراک اس کا علم اور قدرت ہے، کیونکہ اُس نے اس کے ساتھ اپنے نفس کو متصف کیا ہے اور کہا ہے: ''اور وہ آنکھوں کا ادراک رکھتا ہے اور وہ باریک بین اور باخبر ہے''۔ پس لفظ ''لطیف'' اُس کی قدرت کی طرف اشارہ ہے اور ''خبیر'' اُس کے علم کی طرف اشارہ ہے۔ پس ادراک اُس کی صفت ذاتی ازلی ہے۔ جیسا کہ علم و قدرت میں کہا گیا ہے اور ادراک جو حوادث سے مقارن ہے اُس کی صفات فعل میں سے ہیں، پھر وہ باری تعالیٰ ازل میں جس طرح عالم ہے، جبکہ کوئی معلوم موجود نہ تھا اسی طرح وہ ازل سے مدرک ہے، جبکہ کوئی مدرک موجود نہ تھا۔ اور یہ صفات ذات کا حکم ہے۔ کیونکہ یہ بلا مغایرت عین ذات ہے۔

فصل

اللہ تعالیٰ کا مُتَکَلِّم ہونا

اور اس بات پر ایمان رکھنا واجب ہے کہ باری تعالیٰ مُتَکَلِّم ہے۔ کیونکہ اس

کے ساتھ اپنے آپ کو متصف کیا ہے اور فرمایا ہے:

وکلم الله موسی تکلیما

''وہ اللہ نے موسیٰ کے ساتھ کلام کیا''۔[1]

پس جب ہم نے یہ پایا کہ دانا ایسے الفاظ سے کسی کو خطاب نہیں کرتا۔ اور ہر کلام سے صرف حروف اور اصوات منظمہ مسموعہ مرکبہ ہی کا مفہوم سمجھتے ہیں۔ اور اہل لغت کا اس بات پر اجماع ہے کہ کلام کا معنی اصوات وحروف مؤلفہ متجددہ ہیں جو کہ کلام کے اختتام سے ختم ہو جاتے ہیں اور خدا نے کلام سے اپنے آپ کو متصف بھی کیا ہے تو ہمیں قطعی علم حاصل ہوا کہ اللہ نے کلام کو بواسطہ فعل اپنی طرف نسبت دی ہے جس کو وہ اپنی مخلوقات: حیوان، نبات و جماد جسمیں چاہے پیدا کر دیتا ہے اور یہ کلام حادث ہوتا ہے کہ کیونکہ وہ مرکب مؤلف ہوتا ہے اور ہر مرکب حادث ہوتا ہے۔ اور خود خدا نے ارشاد فرمایا:

---

[1] سورہ توبہ: آیت: ۴۶، پ: ۱۰)

''اور نہیں آتا اُن کے پاس کوئی حادث ذکر اُن کے رب
کی طرف سے لیکن یہ اُس کو غور سے سنتے ہوں''۔[1]

پس معلوم ہوا کہ کلام حادث ہے۔

فصل

اللہ بے مثل و بے مثال ہے

اور ہر مکلف پر واجب ہے کہ وہ یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی شے نہیں ہے اور نہ وہ جسم ہے نہ عرض، نہ جوہر نہ مرکب، نہ مختلف، نہ وہ کسی جگہ میں ہے نہ کسی جہت میں چونکہ یہ صفات مخلوق کی صفات ہیں اور خالق پر صحیح نہیں ہیں۔ ہمارا یہ کہنا کہ کوئی شے اُس کی مثل نہیں تو وہ اس وجہ سے ہے کہ وجود مشابہ اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ صفات ذاتیہ میں اُس کا شریک ہو اور یہ اس ذات میں نقص کو مقتضی ہے۔ کیونکہ عدیم النظیر اکمل ہوتا ہے ورنہ اُس کے وجود میں نقص لازم آئے گا اور جس پر نقص جائز ہو اُس میں زیادتی کا جواز ہوتا ہے اور جس میں زیادتی کی گنجائش ہو وہ متغیر ہے یا ممکن التغیر ہے پس وہ حادث ہوگا لیکن یہ کہنا کہ وہ جسم نہیں، وہ اس لئے کہ ہر جسم مرکب ہے اور ہر مرکب اپنے اجزء کا محتاج ہے۔ اور اپنے وجود میں محل (جگہ) کا محتاج ہے جس میں وہ سمائے اور محتاج حادث مصنوع ہے اور ہمارا یہ قول کہ وہ عرض نہیں ہے۔ کیونکہ عرض اپنے تحقق اور قیام میں جوہر کا محتاج ہے یا جسم کا، اور وہ اس سے مستغنی نہیں ہوتا۔ اور ہر محتاج حادث اور مصنوع ہوتا ہے اور ہمارا یہ کہنا کہ وہ جوہر نہیں ہے کیونکہ جوہر چاہے جوہر فرد ہو یا جوہر سطح یا جوہر جسم، وہ حادث ہوتا ہے جو اپنے وجود میں حوادث کا محتاج ہوتا

ا سورۃ الانبیاء، آیت ۲۰، پ ۱۷

ہے۔ جوہر فرد یہ ہے جیسا کہ اس کو ثابت کرنے والوں کا قول ہے جو طول، عرض، عمق میں تقسیم کو قبول نہ کرے۔ اور جوہر خط جو کہ خصوصاً طول کو قبول نہ کرے۔ اور جوہر سطح وہ ہے جو طول، عرض اور عمق میں تقسیم قبول کرے اور محل کا محتاج ہو۔ اور اس کے لئے لازم ہے کہ وہ حرکت کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف منتقل ہو اور سکون کے ساتھ ایک جگہ میں ٹھہرے اور یہ تمام اقسام حادث ہیں جو حوادث ہی میں سماتی ہیں۔ اور یہ کہنا کہ وہ مرکب نہیں ہے کیونکہ مرکب اپنے اجزاء کی طرف محتاج ہے اور محتاج حادث ہے اور یہ کہنا کہ وہ مختلف نہیں ہے، کیونکہ مختلف اسی وقت مختلف ہوتا ہے جبکہ اس کے اجزاء جداگانہ ہوں یا اس کی ذات کے احوال جداگانہ ہوں اور دونوں قسمیں مستلزم ترکیب ہیں اور اس سے اُن کا حادث ہونا لازم ہوتا ہے اور یہ کہنا کہ وہ کسی جگہ پر نہیں ہے چونکہ جو کسی جگہ پر ہو وہ جگہ کے مشابہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کی جنس سے ہوگا اور حادث ہوگا۔ چونکہ وہ یا اس میں ٹھہرا ہوا ہوگا تو ساکن ہوگا یا اس سے منتقل ہوگا تو متحرک ہوگا۔ جو اس طرح ہوگا وہ حادث ہوگا۔ چونکہ حرکت و سکون ایک دوسرے سے سابق و مسبوق ہوتے ہیں اور یہ کہنا کہ وہ کسی جہت میں نہیں ہے، کیونکہ جو کسی جہت میں ہوگا اس کے لئے سکون یا حرکت ضروری ہوگی اور اس سے جگہ کا گھیراؤ، حد بندی، اور بعض پر بعض کی جگہ حصر لازم آتا ہے اور اس کی غیر جہت کا اس سے خالی ہونا لازم آئے گا اور جس جہت میں وہ ہے اس کا مشغول ہونا لازم آئے گا اور جو ان امور میں سے کسی کو مستلزم ہو وہ حادث ہے۔

فصل

اللہ تعالیٰ کسی شئے سے نہیں بنا

اور یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ حق تعالیٰ سبحانہ، نہ کسی شئے میں ہے اور نہ کسی شئے سے ہے اور نہ کسی شئے پر ہے اور نہ کوئی شئے اُس کے اوپر ہے اور وہ نہ کسی شئے کے اوپر ہے نہ نیچے اور نہ کسی شئے کی نسبت اس کی طرف دی جا سکتی ہے کیونکہ یہ تمام صفات حوادث کی ہیں۔ اور ہمارا یہ کہنا کہ وہ کسی شئے میں نہیں ہے۔ کیونکہ اگر وہ کسی شئے میں ہو تو اس میں محصور ہوگا اور محصور حادث ہے یا وہ اس شئے میں ٹھہرا ہوا ہوگا تو ساکن ہوگا اور اگر اس سے منتقل ہوگا تو متحرک ہوگا۔ اور ہمارا یہ کہنا کہ نہ اُس میں کوئی شئے ہے کیونکہ اگر اس میں کوئی شئے ہوگی تو اپنے غیر کے لئے محل ہوگا چاہئے وہ غیر قدیم ہو یا حادث۔ پس وہ غیر سے مشغول ہوگا اور مشغول بالغیر حادث ہے اور ہمارا یہ قول کہ وہ کسی شئے سے نہیں۔ کیونکہ اگر ہو کسی شئے سے ہوگا تو اُس شئے کا جز ہوگا اور مولود ہوگا اور مولود حادث ہے۔ اور ہمارا یہ قول کہ اُس سے کوئی شئے نہیں کیونکہ اگر اُس سے کوئی شئے ہوگی تو وہ شئے اس کا جز ہوگی اور یہ اس کا والد ہوگا۔ لہٰذا حادث ہوگا۔ اور یہ کہنا کہ وہ کسی شئے پر نہیں۔ کیونکہ اگر وہ کسی شئے پر ہوگا وہ شئے اس کو اٹھائے ہوئے ہوگی اور اس سے قوی تر ہوگی۔ اور یہ کہنا کہ اُس پر کوئی شئے نہیں۔ کیونکہ اگر اس پر کوئی شئے ہوگی تو

اس سے بلند ہوگی۔ پس اس سے قوی تر ہوگی۔ اور یہ کہنا کہ وہ کسی شئے کے اوپر نہیں، تو یہ کہنا اس بیان کے مثل ہے کہ اس میں کوئی شئے نہیں اور ہمارا یہ کہنا کہ اُس کی طرف کسی شئے کی نسبت نہیں دی جاسکتی کیونکہ نسبت دونوں فرضوں (یعنی منسوب اور منسوب الیہ) کے مطابق اقتران ہے جو ازل سے ممتنع ہے اور مصنوع کی صفات میں سے ہے۔

فصل

اللہ تعالیٰ سے حلول کی نفی

اور یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ باری تعالیٰ کسی شئے میں حلول نہیں کرتا اور نہ کسی غیر کے ساتھ متحد ہوتا ہے۔ کیونکہ حلول اس بات سے عبارت ہے کہ ایک موجود بر سبیل تبعیت دوسرے موجود کے ساتھ قائم ہو۔ مثلاً اعراض (رنگوں وغیرہ) کا اجسام کے ساتھ قائم ہونا یا بر سبیل ظہور مثلاً ارواح کا اجسام کے ساتھ قائم ہونا۔ اگر یہ فرض کیا جائے کہ وہ کسی شئے میں حلول کئے ہوئے ہے تو اس کا محتاج اور اس کے ساتھ متقوم ہوگا اور حادث ہوگا۔ اور یہ کہنا کہ وہ کسی کے ساتھ ساتھ متحد نہیں، کیونکہ اتحاد کی تفسیر اگر وہ کی جائے جو محال عقلی ہے۔ جیسا کہ انہوں نے کہا ہے دو چیزیں کسی کمی اور زیادتی کے بغیر ایک بن جائیں اور ایک چیز دوسری سے متاثر نہ ہو تو اس کا حصول محال ہے۔ پس واجب حق تعالیٰ کی صفت اس سے

کس طرح ہو سکتی ہے۔ اور اگر اس کی تفسیر یہ کی جائے کہ ایک شئے دوسری شئے بن جائے تو یہ انقلاب اور استحالہ کی صورت ہوگی اور یہ اگرچہ ممکنات کے لئے جائز ہے مگر واجب الوجود حق تعالیٰ کے لئے محال ہے۔ کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ ایک شئے دوسرے کی طرف بدل جائے اور واجب الوجود عزوجل ایک حال سے دوسری حالت کی طرف تبدیلی اختیار نہیں کرتا اور تبدیلی اختیار کرنا حادث متغیر کی صفت ہے۔

فصل

باری تعالیٰ کی رویت محال

اور یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ حق تعالیٰ پر دنیا اور آخرت میں رویت محال ہے۔ کیونکہ رویت اگر قلب کے ساتھ ہو اور مرئی سے مراد ذات صرف ہو تو یہ باطل ہے۔ کیونکہ ذات صرف کا بصیرتیں بھی ادرک نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ یہ بصیرتیں حجاب عظمت باری تعالیٰ کے ارد گرد گردش نہیں کرتیں۔ پس خداوند عزوجل کے سوا کوئی بھی اس کی ذات کا ادراک نہیں کر سکتا اور اگر مرئی سے مراد اس کی آیات اور آثار افعال ہوں تو قلوب اُس کی آیات کا ادراک کرتے ہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے اپنی عظمت کے ساتھ دلوں کے لئے تجلی کی ہے۔ پس وہ اس پر دلیل قائم کرنے کی معرفت رکھتے ہیں۔ اور اگر رویت سے مراد رئیت حسی ہے تو آنکھیں اُس

کا ادراک نہیں کرتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے۔ کیونکہ آنکھ کیلئے اشیاء کا ادراک کرنے کی شرط ہے کہ مرئی ان کے مقابل یا بحکم مقابل ہو مثلاً آئینہ کے ساتھ رویت۔ اور یہ کہ مرئی زیادہ بعید یا زیادہ قریب نہ ہو اور یہ روشنی پائے اور یہ کہ کسی جہت میں ہو۔ اور باری تعالٰی کسی شئے سے معزول نہیں۔ لہٰذا نہ مقابل ہوگا نہ بحکم مقابل۔ اور اللہ تعالٰی قریب و بعید نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہر شئے سے زیادہ بعید اور ہر شئے سے زیادہ قریب ہے اور اس کا بعدہ قرب غیر متناہی ہیں اور وہ افراط سے مافوق ہیں اور اللہ غیر سے روشنی حاصل کرنے والا نہیں ہے اور نہ میں غیر از خود روشنی ہے۔ پس چاہیے کہ اس کا ذات مدرک ہو بلکہ اس کا ظہور اپنے ماسوا کو محو کرنے والا ہو اگر وہ تجلی کرے تو اپنے ماسوا کو محو کر دیتا ہے۔ اگر تجلی نہ کرے تو کوئی بھی اس کو دیکھنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ اور وہ کسی جہت میں نہیں ہے ورنہ وہ اس میں محصور ہوگا اور اس کی رویت ممکن نہ ہوگی کیونکہ رویت کی شرطوں میں سے کوئی شرط باری تعالٰی پر جاری نہیں ہوتی۔ کیونکہ دنیا اور آخرت میں اس کے ماسوائے سب ممکن الوجود ہیں۔ اور جو عالم امکان سے تعلق رکھتا ہے اس کے لئے اس اللہ کا ادراک ناممکن ہے جو ازل سے ہے۔ پس اس کی رویت نہ دنیا میں صحیح ہوگی اور نہ آخرت میں۔

فصل

حواس باطنہ وظاہرہ سے ادراک خداوندی کا محال ہونا

اور یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ باری تعالیٰ کو حواسِ ظاہرہ سمع، بصر، ذوق، شم، لمس اور حواسِ باطنہ، حس مشترک، خیال، متصرفہ، واھمہ، حافظہ سے ادراک نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ باری تعالیٰ عزوجل کسی شئے سے مشابہ نہیں، اور نہ کسی شئے کے ہم جنس ہے۔ اور کسی شئے کا ادراک اسی صورت میں ہوگا جو ہم جنس اور مشابہ ہو۔ جیسا کہ امیرالمومنین صلوات اللہ علیہ نے فرمایا:

''آلات اپنی ہی حد بندی کر سکتے ہیں اور اپنے نظائر ہی کی طرف اشارہ کرتے ہیں''۔ ۱

''آنکھیں اُس کا ادراک نہیں کرتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے''۔ ۲

اور وہ اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے کیونکہ حواس ظاہرہ و باطنہ محض حدود و محدود، مکیف، مصور، ممیّز کا ادراک کر سکتے ہیں، جبکہ باری تعالیٰ نہ محدود ہے نہ مکیف، نہ اُس کی صورت ہے اور نہ اس کا کوئی ممیّز ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام صفات خلق سے بہت ہی بلند و بالا ہے۔

۱

سورۂ انعام: آیت: ۱۰۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب دوئم

عدل خداوندی کا بیان

عدل خداوند کا بیان

عدل سے مراد اللہ کے وہ افعال عامہ ہیں جو کہ دارالتکلیف دنیا میں مکلّف بندوں کے متعلق ہیں، یعنی اس کے اوامر ونواہی اور دارالجزاء میں اس کی طرف سے ثواب وعقاب کے طور پر واقع ہوں گے۔ اور عدل جور کی ضد ہے اور وہ اس بات سے عبارت ہے کہ حق تعالٰی کے بندوں کے ساتھ متعلقہ افعال دنیا میں جہت عدل کے ساتھ اور مساوی ہیں۔ یعنی وہ ان کو اسی قدر تکلیف دیتا ہے جس کی وہ طاقت رکھتے ہیں اور اس میں ان کی بھلائی ہے۔ یعنی اس طرح کہ ان کی جزاء اطاعت میں مقدار تکالیف سے زیادہ ہے اور معصیت میں فعل مکلّف کی مقدار کے برابر ہے تاکہ ان کو اس شرعی تکلیف میں فائدہ حاصل ہو اور تکلیف کا فائدہ مخلوق ہی کے لئے منفعت ہے۔ کیونکہ باری تعالٰی اپنے ماسوا ہر کسی سے بے نیاز ہے۔ اور اس پر اس کی مخلوق کے احوال جاری نہیں ہوتے اور اس کی رضا سے مراد اس کا فضل ہے اور اس کے غضب سے مراد اس کا عدل ہے۔ کیونکہ وہ اپنی نافرمانی کرنے والوں پر اس وجہ سے غضبناک نہیں ہوتا کہ اس نے نافرمانی کی تاکہ وہ اس سے اپنا انتقام لے۔ اور اس کا غضب درحقیقت یہ ہے کہ وہ مسببات کو ان کے

اسباب سے ایجاد کرتا ہے۔ پس معصیت اپنی مخصوص سزا کی ایجاد کے لئے سبب کامل ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس عقوبت کو اس معصیت کے مقتضیٰ کے برابر ایجاد کرتا ہے الا اینکہ وہ اگر چاہے تو بخش دے کیونکہ اس کی عفو اس مقتضیٰ سے مانع ہوگی۔ پس اگر اس کو عفو سے کوئی مانع حاصل نہ ہو تو سببیت معصیت تمام ہوگی۔ پس وہ اس کے سب عقوبت کو ایجاد کرے گا اور وہ اس کے غضب کی حقیقت ہے۔ اور اس کا غضب اس کی مخلوق کے غضب کی مانند نہیں ہے کہ دل کا خون کھولتا ہو اور اس سے انتقام کا ابھار پیدا ہوتا کہ وہ مخلوق سے تشفی پائے، کیونکہ باری تعالیٰ مخلوق کی صفات سے برتر ہے۔

لیکن بندوں کے اختیاری افعال کا حکم، پس وہ وہی ہیں جو کہ مکلّف کے امکان وقدرت میں ہیں اگر چاہے تو اس کو انجام دے یا اس کی ضد کو انجام دے پس یہ جان لو کہ مخلوقات کی تمام اشیاء چاہے وہ ذوات ہوں یا صفات یا افعال وہ اسی وقت وجود میں تقوم پائیں گے جبکہ اللہ کا امر ہو اور جب اللہ اپنے بندوں سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے اوامر کی تعمیل کریں۔ پس اُس نے فعل طاعت پر تمکن عطا کیا ہے جو کہ اسی صورت میں واقع ہوگا۔ جب کہ بندہ اس فعل کے ترک پر بھی قادر ہو۔ پس اللہ نے تمام مکلفین کو نور و ظلمت سے پیدا کیا اور فعل طاعت ومعصیت بجالانے پر ان کو قادر بنایا۔ پس بندے کے وجود اور

اس کے افعال کا دارومدار امر خدا اور اس کی مدد اور حفاظت پر منحصر ہے۔ یعنی اگر وہ مدد نہ کرے اور اُن کے وجود کا تحفظ نہ کرے تو وہ موجود ہی نہ ہوں۔ پس اس لحاظ سے بندوں کے افعال مجازاً اللہ کے افعال ہیں مگر اس کا یہ مفہوم نہیں کہ وہ اس کے افعال میں شریک ہے بلکہ جو شخص یہ کہے کہ بندے سے صادر ہونے والے فعل خیر وشر کا فاعل خود اللہ تعالیٰ ہے اور بندے کو ان میں کسی قسم کوئی اختیار حاصل نہیں ہے اور نہ ہی اس میں بندے کا دخل ہے بلکہ وہ خلقت عبد کی مانند فعل عبد اور اس کے سبب کا بھی فاعل ہے۔ جیسا کہ فرقہ اشاعرہ کہتے ہیں، تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت دی۔

چونکہ اس صورت میں اُن پر لازم آئے گا کہ وہ یہ کہیں کہ اللہ تے خود ہی بندوں کو گناہوں پر مجبور کیا اور پھر خود ہی عذاب دیا۔ اور جو شخص یہ کہے کہ بندہ بذات خود اپنے فعل میں مستقل ہے اور اس کے لئے کوئی مانع نہیں ہے اور نہ کوئی روکنے والا ہے۔ ورنہ وہ مستحق ثواب اور مستوجب عذاب نہ ہوگا، تو اس نے اللہ کو اس کے ملک سے معزول کر دیا اور سلطنت سے خارج کہا، جیسا کہ فرقہ، مفوضہ معتزلہ کہتے ہیں۔ یہ دونوں گروہ راہ حق اور صراط مستقیم سے منحرف ہیں۔ کیونکہ پہلا فرقہ افراط کرنے والا ہے اور دوسرا تفریط کرتا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ درمیانی فیصلہ درست ہے جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ کوئی جبر اور کوئی تفویض نہیں ہے بلکہ معاملہ دونوں کے درمیان ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ اللہ

نے بندوں کو گناہوں پر مجبور کیا ہو۔ ورنہ اس لئے یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ معاصی پر ان کو عذاب دے اور اس طرح اس کا ظالم ہونا لازم آئے گا اور وہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے اور تفویض بھی نہیں ہے۔ یعنی یہ کہا جائے کہ اللہ نے سب کچھ بندوں کے سپرد کر دیا ہے۔ اور ان کے افعال میں اللہ کا کوئی دخل نہیں۔ اس طرح وہ اپنی مملکت وسلطنت سے معزول ہو جائے گا، بلکہ معاملہ دونوں کے مابین ہے۔

یعنی بندہ خود ہی از روئے اختیار بلا جبر واکراہ اپنے فعل کا فاعل ہے لیکن بندے کے فعل میں اللہ کی تقدیر بھی جاری وساری ہے اور اس کے بغیر بندے کا کوئی فعل نہ جاری ہو سکتا ہے نہ مکمل اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے اور اس کے افعال کا محافظ ہے۔

پس محفوظ بندہ مستقل طور پر اپنے فعل کا فاعل ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ شریک نہیں ہے۔ پس ہمارا یہ قول کہ بندہ اپنے افعال کا اللہ کی وجہ سے فاعل ہے کہ اس کے بغیر اور ان کے ہمراہ یہ وہی ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ چونکہ یہ ایک تاریک راستہ اور گہرا سمندر ہے۔ پس ہم نے بیان کیا ہے اس کو خوب سمجھ لو۔ چونکہ معاملہ یہی ہے جو ہم نے بیان کیا اس کے بغیر باقی یا جبر ہے یا تفویض اور بندوں کے افعال میں یہی عدل ہے۔

اگر وہ نافرمانی کرتے ہیں تو اپنے اختیار کے ساتھ اور اللہ کی تقدیر کی

موافقت کے ساتھ، اگر وہ چاہیں تو اطاعت کر لیں لیکن چونکہ انہوں نے خود معصیت کو اختیار کیا تو اللہ نے اُن پر لازمی عذاب جاری کر دیا اور اُن پر ظلم نہیں کیا۔ کیونکہ انہوں نے بلا مجبوری معصیت کا اقدام کیا ہے اور اُن کو مجبور نہیں کیا گیا ، اور اگر وہ اطاعت کرتے تو اپنے اختیار سے کرتے اور قدر خدا کی موافقت سے کرتے اور اگر چاہتے تو نافرمانی کرتے مگر چونکہ انہوں نے اطاعت کو اختیار کیا تو اللہ نے اُن پر لازماً ثواب کو جاری کیا اور وہ ثواب کے مستحق ہوئے کیونکہ انہوں نے بغیر جبر کے اطاعت کا اقدام کیا پس ان کی معصیت بھی قدر خدا کی موافقت سے ہوگی اور اس کے بغیر نہ ہوگی اور ان پر جبر بھی لازم نہیں آئے گا کیونکہ بقدر خداوندی اطاعت پر قادر تھے مگر ان کا دونوں فعلوں میں سے ایک کا اختیار کرنا قدر سے جدا نہیں ہے کیونکہ وہ اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ پس اپنے اپنے فعل خیر و شر میں مستقل ہیں اور ان کے کسی بھی اختیار میں تقدیر کا شمول ہوگا مگر یہ تقدیر حتمی نہ ہوگی بلکہ تقدیر اختیار ہوگی۔ اور اس کو بخوبی سمجھ لو۔

باب سوئم

نبوت و رسالت کا بیان

نبوت ورسالت کا بیان

یہ جان لو کہ چونکہ اللہ تعالیٰ غنی مطلق ہے اور کسی شئے کا محتاج نہیں ہے اس نے اپنے فضل وکرم کے تقاضہ کے مطابق ایک ایسی مخلوق پیدا کی جس کے متعلق اس نے چاہا کہ اس کو اپنے غیر متناہی فضل وکرم تک پہنچادے اور چونکہ باری تعالیٰ حکیم ہے تو واجب ہوا کہ اس کا تفضّل بمقتضائے حکمت جاری ہو، پس اُس نے اپنی مخلوق کو ایسے امور کے ساتھ مکلّف کیا جن کی بدولت وہ ان درجات و مراتب کو حاصل کریں۔

اس طریقہ پر کہ اس کا تفضّل عبث سے خارج نہ ہو۔ اور چونکہ تمام مخلوق ان امور سے نابلد ہے جن میں ان کی صلاح مضمر ہے، کیونکہ ان کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا اور باری تعالیٰ کا ادراک آنکھیں نہیں کرسکتیں اور مخلوق اس سے براہ راست کچھ حاصل نہیں کرسکتی، پس حکمت میں واجب ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے ایک قوی بندے کو خلق کرے جو اللہ عزوجل کی مدد سے اس سے احکام حاصل کرکے بندوں تک پہنچائے جن کی تعمیل وہ بندوں سے چاہتا ہے، جن میں ان کو دنیوی اور اخروی صلاح ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے بندوں پر ایک لطف ہے جس پر اُن کی اصلاح اور نشات دنیا وآخرت میں ان کا نظام بارادہ خداوندی متوقف ہے۔

پس یہ از روئے حکمت واجب ہوگا۔ اور یہ نمائندہ نبی کہلاتا ہے اور جب حکمت نے تقاضا کیا کہ وہ متعدد و مختلف اوقات میں مخلوقات کو ایجاد کرے اور وہ خلقت اور احکام میں مشترک ہیں پس حکمت میں واجب ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر اُمت میں اسی میں سے ایک رسول بھیجے جو ان تک اللہ کے احکام کو پہنچائے اور تبلیغ کرے۔ کیونکہ بندے اسی قدر علم رکھتے ہیں جو اللہ نے ان کو دیا ہے، یہاں تک کہ سلسلۂ نبوت ہمارے نبی محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا۔

فصل

صفاتِ نُبوت کا بیان

چونکہ نُبوت متقضیات عدل سے تعلق رکھتی ہے پس واجب ہوا کہ بعثت کے فائدہ کے حصول کے لئے وہ کامل ترین طریقہ پر ہو، لہٰذا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مبعوث نبیؑ کے ہاتھ پر ایک عاجز کرنے والا کام ظاہر کرے جس سے دیگر ہم جنس لوگ عاجز ہوں اور وہ کام خارقِ عادت اور دعویٰ کے مطابق ہو اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو تا کہ اس کے دعویٰ کی تصدیق ہو۔ اور واجب ہے کہ نبی صحیح النسب، طاہر الولادت، مستقیم الخلقت ہو اور تمام احوال سے پاکیزہ ہو جو کہ خلقت و اخلاق میں دلوں کی نفرت کا موجب بنتے ہیں تا کہ اہل زمانہ کسی طرح بھی اس پر طعن نہ کر سکیں، اور صادق القول ہو اور اس سے کبھی بھی جھوٹ، خیانت اور دنیاوی

طمع نہ دیکھی جائے اور اپنے اہل زمانہ سے اعلم اور زیادہ متقی، زاھد اور اوامر و نواہی کا سب سے زیادہ پابند ہو اور تمام ظاہری باطنی رذائل و نقائص سے مبرہ و منزہ ہو اور امت میں کسی بھی صفت کمال میں اس کا کوئی ہمسر نہ ہو اور تمام گناہان صغیرہ و کبیرہ سے بعث سے قبل اور بعد بلکہ اول عمر سے آخر عمر تک معصوم ہو اور سہو نسیان بلکہ ہر ایسے عیب سے پاک ہو جو رعیت کے لئے اس کے امر و نہی کے قبول کرنے سے مانع ہو یا شک کا موجب ہو یا اس کی نبوت میں توقف کا سبب ہو۔

کیونکہ اللہ کی حجت ہمیشہ مکمل ہوتی ہے اور نبوت اس کے بندوں پر اللہ کی حجت ہے اور اگر یہ جائز ہو کہ کسی بھی مکلف کو نبوت میں کوئی خدشہ نظر آئے تو اللہ کی حجت تمام نہیں ہو سکتی اور یہ بھی ضروری ہے کہ نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسدد اور اعتقاد، علم، عمل، قول میں درستی کے لئے موفق ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے اس کی نگہبانی کرتا ہے اور اس کو حق الہام کرتا ہے اور اپنے نزدیک اس کے مقام کے مطابق اس کی طرف وحی کرتا ہے اور اس کے لئے ایک قوت مقرر کرتا ہے جو اس کی تسدید کرے۔ یہ سب اللہ کے ارادہ سے ہوتا ہے تاکہ لوگوں کے لئے رسولوں کے بعد اللہ پر کوئی حجت باقی نہ رہے۔ کیونکہ نبی وہ انسان ہے جو اللہ کی طرف سے کسی بشر کی وساطت کے بغیر خبر دے اور اس وقت حجت اللہ نہ ہوگا جب تک مکلف کے نزدیک یہ ثابت نہ ہو کہ اس کا قول و امر اور نہی اللہ ہی کا قول و امر و نہی ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے فعل پر قادر ہے جس سے مخلوق پر اس کی

حجت تمام ہو۔ اور اسی کے ساتھ اپنی مخلوق پر اس کا لطف ثابت ہوگا جس سے دنیا و آخرت میں ان کی صلاح موقف ہے پس حکمت میں اس پر یہ فعل واجب ہوگا کیونکہ اس کو ترک کرنا قبیح ہے اور اللہ تعالیٰ قبیح کا ارتکاب نہیں کرتا کیونکہ وہ غنی مطلق ہے اور کسی شئے کا محتاج نہیں ہے۔

فصل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا بیان

جب تم نے یہ جان لیا تو تو یاد رکھو کہ اس امت کے نبی حضرت محمد ابن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فھر بن مالکبن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن نزار بن معد بن عدنان صلی اللہ علیہ وآلہ الطاہرین ہیں۔ کیونکہ آپ نے نبوت کا دعویٰ فرمایا اور وہ معجزات ظاہر فرمائے جو کہ آپ کے دعوے کے مطابق آپ کے ہاتھوں پر ظاہر ہوئے اور جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے اور اپنے ہاتھوں پر اپنے دعویٰ کے مطابق معجزہ دکھائے وہی نبی ہوتا ہے۔ اور تمام مسلمانوں اور دیگر تمام عالمی مذاہب کے نزدیک یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ مکہ مشرفہ میں محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نامی ایک شخص ظاہر ہوئے جنہوں نے نبوت کا دعویٰ فرمایا اور اللہ نے ان کے ہاتھوں پر اُن کے دعویٰ کے مطابق معجزات ظاہر ہوئے

جو تحدی سے پیوستہ تھے۔ لہٰذا آپ نبی برحق ہیں۔ اور یہ تواتر قطعی یقین کا موجب ہے سوائے اُن لوگوں کے جو شبہ میں مبتلا ہوئے۔

ختم نبوت کا بیان

اور یہ امر تمام اہل زمین کے مابین متواتر طور پر ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور نہ آپ کے ساتھ کوئی نبی تھا۔ پس واجب ہوا کہ آپ وہ نبی مرسل ہیں جو تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے کیونکہ سب لوگ مکلف ہیں اور بلا حجت تکلیف دینا صحیح نہیں ہے۔ اور اس طریقہ پر اللہ کی کوئی حجت ثابت نہیں ہوتی۔ پس آپ کی نبوت تمام مکلفین کے نزدیک تواتر سے ثابت ہوئی لیکن جس شخص پر شبہ غالب ہوا وہ ایسے ہی ہے اگرچہ اس کا نفس انکار کرنے کا عادی ہے کیونکہ ارشاد رب العزت ہے:

''اور اللہ ہدایت کرنے کے بعد کسی کو گمراہ کرنے والا نہیں، حتیٰ کہ ان کے لئے وہ چیز بیان کر دے جس سے وہ ڈرتے ہیں''۔ [1]

---

[1] سورہ توبہ، آیت: ۱۲۶۔

فصل

آنحضرتؐ کے معجزات

اور آپ کے وہ معجزات جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے آپ کے دعویٰ کو سچا قرار دیا۔ بہت سے ہیں اور علمائے اُمّت نے ان میں سے ایک ہزار معجزات شمار کئے ہیں۔ اُن میں سے ''چاند کا دو ٹکڑے ہونا'' اور ''آنحضرتؐ کی انگلیوں کے مابین پانی کا چشمہ پھوٹنا'' اور ''آپ کا تھوڑے سے کھانے سے بہت لوگوں کو سیر کرنا'' اور ''اونٹ کا آپ کے پاس شکایت لے کر آنا'' اور ''زہریلی ران کا آپ سے کلام کرنا'' اور ''جمادات کا آپ سے باتیں کرنا'' اور ''کھجور کے تنے کا گریہ کرنا'' اور ''آپ کے ہاتھوں میں سنگریزوں کا تسبیح پڑھنا'' اور ''آپ کا سنگریزے پر اپنی مہر نقش کرنا'' وغیرہ۔ اور ان معجزات میں سے قرآن عزیز بھی ہے جو کہتا ہے:

''اس کے آگے اور پیچھے سے باطل نہیں آتا اور خداوند حکیم و حمید کی تنزیل ہے۔''[1]

---

[1] سورۂ فصلت: آیت: ۴۲۔

اور آنحضرت نے اس کے ساتھ خالص عربوں کو تحدی کی تا کہ وہ اس کے مقابلے میں چھوٹی سے چھوٹی سورت پیش کریں مگر وہ اس سے عاجز آئے مگر چونکہ انہوں نے آپ کے قرآن کو جاہلی تعصب کی بنا پر قبول نہیں کیا لہٰذا نیزوں کی انیوں اور چوڑی چکلی تلواروں کی دھاروں پر صبر کیا، حتیٰ کہ آپ نے دوران جنگ ان کے جنگجو بہادروں کو ہلاک کیا، ان کی اولادوں کو قید کیا۔ اور انہوں نے عار و ذلت کا لباس قبول کیا اور ہلاکت برداشت کی مگر سورت پیش کر کے قرآن کے بارے میں آپ کے چیلنج کو توڑ نہ سکے۔

اور یہ قرآن عالم کے فنا ہونے تک باقی رہے گا۔ حضور نے اس کے ذریعہ سے ماسوی اللہ ہر کسی کو تحدی کی مگر اللہ کی کوئی مخلوق بھی آپ کے قرآن سے معارضہ کرنے پر قادر نہ ہو سکی اور انبیاء میں سے کسی نبی کا کوئی معجزہ اس کے بعد باقی نہیں رہا، کیونکہ اُن کی نبوتیں منقطع ہو گئیں مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ باقی ہے۔ کیونکہ آپ کی شریعت کی تکلیف باقی ہے اور اسی طرح آپ کی نبوت بھی باقی ہے تا کہ یہ قرآن معاندین و معترضین کی حجت کو معجزانہ طور پر توڑ سکے۔

فصل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہ آیا ہے نہ آئے گا کیونکہ خداوند عالم نے خود اپنی کتاب میں اس کی خبر دی ہے کہ:

''محمدؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے رسولؐ اور خاتم النبیین ہیں''۔[1]

اور اللہ سبحانہ سے کذب کا صادر ہونا ممکن نہیں۔ کیونکہ کذب قبیح ہے اور اور غنی مطلق قبیح کو انجام نہیں دیتا۔ چونکہ اس کو کسی شئے کی حاجت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں خبر دی ہے۔

''جو کچھ رسول تم کو دے دیں وہ لے لو''۔[2]

اور آنحضرتؐ نے ہمیں خود یہ خبر دی ہے کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہے، لہٰذا یہ حق ہے۔ اور آنحضرتؐ تمام انبیاء بلکہ تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔ چونکہ آپ نے فرمایا کہ ''میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور اس میں میں کوئی فخر نہیں کرتا''۔ اور آنحضرتؐ نے اپنی دختر فاطمہ علیہا السلام کو فرمایا: ''تمام باپ تمہارے انبیاء سے

افضل اور تمہارے شوہر تمام اوصیاء سے افضل ہیں''۔ اور چونکہ آپ معصوم ہیں اور اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے اور یہ سوائے وحی کے کچھ نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اگر نبی ہم پر بعض خود ساختہ باتیں تراشتے تو ہم ان کا ہاتھ پکڑ لیتے اور ان کی شہ رگ کاٹ دیتے''۔ [۱]

لہذا آنحضرت سچے ہیں اور برحق، تمام مخلوقات سے افضل ہیں اور اسی طرح تمام علماء نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ آنحضرتؐ سیّد کائنات ہیں۔ اور حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمؐ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اگر تم نہ ہوتے تو میں افلاک کو خلق نہ کرتا''۔ پس افلاک کی خلقت آپ کے لئے ہے۔ اور آپ تمام اولاد آدم کے سردار اور تمام مخلوق خدا سے افضل و برتر ہیں۔

۱۔ سورۂ احزاب: آیت: ۴۱)۔

۲۔ سورہ حشر: آیت: ۷)۔

۱۔ سورۂ الحاقہ: آیت: ۴۵، ۴۶

باب چہارم

امامت کبریٰ کا بیان

امامت کبریٰ کا بیان

جب ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر قیامت تک نظام نہ مکمل ہو سکتا ہے اور نہ باقی، پس حضور ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبلغ اور اس کے اُن احکام کو مخلوق تک پہنچانے والے ہیں جن کے ساتھ تا دم تکلیف بقاء مربوط ہے اور جن کے ساتھ ان کی ابدی سعادت وابستہ ہے اور جو کچھ آپ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندوں تک پہنچاتے ہیں وہ آناً فاناً قیامت تک احوال مکلفین کے ساتھ جدید ہی جدید ہے اور چونکہ آنحضرتؐ نے بقاء تکلیف کے آخر تک اسی دنیاوی زندگی میں باقی نہیں رہنا تھا بلکہ ان پر تغیر اور موت جاری ہونی تھی، چونکہ حضور عبد مخلوق ہیں اور یہ خلاف حکمت ہے کہ حکم نبوت اٹھایا لیا جائے چونکہ یہ بقاء تکلیف تک لطف واجب ہے لہٰذا حکمت کی رو سے واجب ہوا کہ آپ اپنا خلیفہ نصب کریں جو آپ کے قائم مقام ہو اور امت تک آپ کے احکام پہنچائے اور آپ کی شریعت کی حفاظت کرے اور آپ کی سنت کو قائم کرے تا کہ مکلف مخلوق پر اللہ کی حجت باطل نہ ہو اور ضروری ہے کہ خلیفہ میں وہ تمام صفات موجود ہوں جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں بیان کی گئی ہیں۔ یعنی اپنے اہل زمانہ سے زیادہ صاحب علم وزھد وعبادت وتقویٰ ہو اور سب سے زیادہ خاندانی عظمت والا

اور اوّل عمر سے آخر عمر تک گناہان صغیرہ و کبیرہ سے معصوم ہو اور کذب خطاء، نسیان وغیرہ سے معصوم ہو اور اس کے علاوہ اس میں تمام اوصاف موجود ہوں جو نبی کے حق میں معتبر ہیں سوائے نبوت کے کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرتؐ خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور خلیفہ کے لئے یہ شرط اس لئے لگائی گئی ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان تمام امور میں قائم مقام ہے جو تمام مکلفین کے لئے مورد احتیاج ہیں یعنی احکام شرعیہ، کیونکہ خلیفہ آنحضرتؐ کی شریعت کا محافظ ہے اور یہ امامت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ازروئے حکمت لطف واجب ہے۔ جیسا کہ نبوت بھی واجب ہے۔

اور یہ دونوں ایک ہی حد تک ضروری ہیں۔ پس ضروری ہوا کہ امام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات سے متصف ہو تا کہ مکلفین کو قطع حاصل ہو جائے کہ یہ اللہ کی حجت ہے اور اس کا قول اللہ اور اس کے رسول کا قول ہے اور اس کی اطاعت اور اس کے حکم کو تسلیم کرنا اور اسی کی طرف رجوع کرنا قطعی طور پر واجب ہے اور ضروری ہے کہ وہ ان صفات سے منزہ و مبرہ ہو جن سے دلوں کی نفرت لازم آئے اور تمام احوال میں اس پر اطمینان حاصل نہ ہو، اور جو ان صفات کا مالک ہو اس کی شناخت وہی کر سکتا ہے جو دلوں کے رازوں سے آگاہ اور مافی الضمیر پر مطلع ہو، اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور کوئی مخلوق اس پر از خود آگاہی حاصل نہیں کر سکتی اور یہ اسی وقت معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص پر نص کرے اور

یہ بھی اللہ کا لطف واجب ہے جو کہ مقتضاء عدل ہے: اور خدائے قادر و حکیم واجب کو ترک نہیں کرتا کیونکہ یہ قبیح ہے اور خداوند تعالیٰ فعل قبیح سے بلند تر ہے۔ کیونکہ وہ غنی مطلق ہے۔ اور امت میں ان شرائط کو کوئی بھی نہیں رکھتا سوائے حضرت علی ابی طالب علیہما السلام کے، مگر وہ نبی نہیں ہیں۔ کیونکہ ہر رذالت سے معصوم ہیں اور سوائے نبوت کے ہر فضیلت میں آنحضرتؐ کے شریک ہیں۔ اُن پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نص کی ہے اور فرمایا:

''سوائے اس کے کچھ نہیں کہ بس تمہارا ولی

اللہ اور اس کا رسول اور وہ ہیں جو ایمان لائے اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں۔ درحالیکہ وہ رکوع کی حالت میں ہوتے ہیں۔''[1]

روایات متواترہ اور فریقین کے مفسرین کا کلام موجود ہے کہ یہ آیت علی علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی، جب انہوں نے رکوع کی حالت میں زکوۃ دی۔ اور اس کا سوائے جھوٹے ضدی کے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ پس اللہ نے علیؑ کے لئے اپنی کتاب عزیز میں وہی مقام ثابت کیا ہے جو اُس نے اپنے لئے اور اپنے رسولؐ کے لئے ثابت کیا ہے یعنی ولایت، اور ولی کا یہاں اس کے سوا کوئی معنے نہیں ہے کہ جو تمام امور دنیا و دین و آخرت میں لوگوں کے لئے زیادہ اولی بالتصرف ہو

---

[1] سورۃ مائدہ: آیت: ۶۰

کیونکہ یہ ولایت وہی ہے جو اللہ اور اُس کے رسول کے لئے بھی ثابت ہے لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوم غدیر خم اسی نفی کی طرف تنبیہ فرماتے ہوئے، جسے فریقین نے متعدد طرق سے باعتراف خصم مخالف روایات با حد تواتر ذکر کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: الست اولی بکم من انفسکم

میں تمہارے جان و مال میں تم سے اولیٰ بالتصرف نہیں ہوں''؟ تو سب نے مل کر کہا کہ ''جی ہاں ہاں یا رسول اللہ'': تو آپ نے فرمایا: ''جس کا میں مولا ہوں اُس کا علیؑ مولا ہیں۔ خداوندا: علی کے دوست کو دوست رکھ اور اُن کے دشمن کو دشمن رکھ، اور جو اُن کی مدد کرے اُس کی مدد کر اور جو اُن کو چھوڑ دے، تو بھی اُس کو چھوڑ دے''۔

میں کہتا ہوں کہ یہی قول اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کے حق میں ارشاد فرمایا ہے: ''جو کچھ رسول تمہارے پاس لے آئیں اُس کو لے لو اور جس چیز سے وُہ تم کو منع کر دیں اُس سے رُک جاؤ'' اور یہ بھی آنحضرتؐ کے بارے میں اللہ کا قول ہے کہ: ''جو لوگ اُن کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں وُہ اس بات کا اندیشہ رکھیں کہ اُن کو کسی آزمائش یا کسی دردناک عذاب سے دوچار نہ ہونا پڑ جائے''[1]

---

[1] سُورۂ نور: آیت: ۶۳)۔

اور آنحضرتؐ کے بارے میں مزید ارشاد ربانی ہے کہ:

"وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے وہ تو وحی ہی ہے جو اُن کی طرف کی جاتی ہے"۔ ۲؎

اور ارشاد ہے کہ: "رسول ہم پر اپنی طرف سے کوئی قول تراشتے تو ہم اُن کا ہاتھ پکڑ لیتے اور پھر اُن کی شہ رگ کاٹ دیتے"۔ ۳؎

۲؎ سورۂ نجم: آیت: ۳)۔

۳؎ سورۂ الحاقۃ: آیت: ۴۵، ۴۶)۔

اور فریقین نے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں زیادہ فیصلہ کرنے والے علی ہیں''۔ اور ارشاد فرمایا: ''علی حق کے ساتھ ہیں اور حق علی کے ساتھ ہے، حق علی ہی کے ساتھ گردش کرتا ہے''۔ اور اس کی مثل دیگر احادیث، پس جب ثابت ہوا کہ آنحضرتؑ اسی طرح ہیں جیسا کہ تم نے سنا، اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معصوم اور توفیق یافتہ ہیں اور حق کے ساتھ ہی گردش کرتے ہیں تو یہ بھی ثابت ہوگیا کہ وہ ہادی حق کے ساتھ ہی گردش کرتے ہیں تو یہ بھی ثابت ہوگیا کہ وہ ہادی حق ہیں اور کوئی دلیل موجود نہیں ہے کہ آپ کے علاوہ کوئی صحابی اس منزلت پر فائز ہو اور امّت میں سے کسی نے بھی کسی صحابی کے لئے عصمت کا دعویٰ نہیں کیا جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں کیا گیا ہے۔ پس جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے وہ زیادہ حق رکھتا ہے کہ اُس کی پیروی کی جائے اور اُس کو مقتداء و پیشوا تسلیم کیا جائے۔ کیونکہ وُہ حق کے ساتھی ہیں، حق جہاں بھی گردش کرے اُن سے جدا نہیں ہے۔

یہ حدیث فریقین کے نزدیک پسندیدہ اور مروی ہے۔ اس کا کوئی بھی انکار کرنے والا نہیں ہے اور یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ وہ کسی حال میں بھی باطل کے ساتھ نہیں ہیں۔ اور عصمت سے مراد ہماری یہی بات ہے۔ پس ہر منصف اور طالب حق کے لئے یہ بات اس حدیث اور اس آیت سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ علی بن ابی طالب صلوات اللہ علیہ وآلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے خلیفہ بلافصل ہیں کیونکہ وہ حق کی طرف ہدایت کرنے والے ہیں اور وہ حق سے جدا نہیں ہیں اور حق اُن سے جدا نہیں ہے پس وہ اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ اُن کی پیروی کی جائے اور اللہ تعالیٰ کا بندوں کے لئے یہی فیصلہ ہے کہ:

''جو اللہ کے نازل کردہ حکم کے فیصلہ نہیں کرتے تو ایسے لوگ فاسق ہیں''۔[1]

اور جناب امیر المومنینؑ سے اللہ نے ''رِجس'' کو دُور کیا ہے اور اُن کو اس طرح پاک قرار دیا ہے جس طرح کہ پاک کرنے کا حق ہے۔ پس وہ بنص قرآن وقول رسولؐ اللہ و رسول کی طرف سے مقرر کردہ اور مخصوص کردہ خلیفہ ہیں اور آپ کی ذات کے علاوہ کسی نے بھی کسی صحابی کے لئے اس قسم کا دعویٰ نہیں کیا۔

تمام تعریفات اُس اللہ کے لئے ہیں جو دونوں جہانوں کا پالنے والا ہے۔

آئمہ اثناء عشر کی امامت:

جو عِلّت جناب علی بن ابی طالب علیہ السلام کو امام و خلیفہ نصب کرنے کا موجب بنی ہے بعینہ اسی عِلّت سے آپ کے فرزند امام حسن علیہ السلام امام مقرر ہوئے پھر ان کے بعد امام حسین علیہ السلام، پھر اُن کے بعد علی بن حسین علیہ السلام، پھر محمد بن علی (باقر) علیہ السلام، پھر جعفر بن محمد (صادق) علیہ السلام پھر موسیٰ بن جعفر علیہ السلام، پھر علی بن موسیٰ علیہ السلام، پھر محمد بن علی (تقی) علیہ

[1] سورہ المائدہ: آیت ۴۷

السلام، پھر علی بن محمد (نقی) علیہ السلام، پھر حسن بن علی (عسکری) علیہ السلام پھر خلف صالح حجت قائم محمد بن حسن (صاحب العصر) صلی اللہ علیہم اجمعین۔

اور وہ تمام صفات جو علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی خلافت میں اور آپ کے آنحضرتؐ کے قائم مقام اور حجت اللہ علی الخلق ہونے میں معتبر ہیں یعنی وہ مختلف اقسام کے کمالات وفضائل جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے، جو اللہ ومخلوق کے مابین واسطہ ہونے میں معتبر ہیں وہ تمام کے تمام ان تمام آئمہ معصومین علیہم السلام میں بھی موجود ہیں۔

اسی طرح ان میں سے ہر ایک کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی نص بھی وارد ہوئی ہے جو کہ اس حدیث لوح میں واضح ہے، جس کو جابر بن عبداللہ انصاری نے روایت کی ہے اور اس کے علاوہ دیگر قرآن وحدیث قدسیہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہر سابق ولاحق کے لئے نص منقول ہے جو ایسی متواتر احادیث سے ثابت ہے جو ہر کسی کیلئے موجب قطع ہے سوائے ایسے اشخاص کے جو کسی شبہ میں مبتلا ہوں اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کیونکہ باری تعالیٰ نے اپنے شایان شان کسی واجب کام کو ترک نہیں کیا، کیونکہ اس کا علم و قدرت عام ہے اور وہ غنی مطلق ہے۔

فصل

بارھویں امام کی خصوصیات

اور یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ حضرت قائم منتظر علیہ السلام زندہ اور موجود ہیں۔ ہمارے نزدیک اس لئے کہ مذہب حقہ کا اجماع ہے کہ آنجنابؑ زندہ موجود ہیں، حتیٰ کہ زمین کو عدل وانصاف سے اس طرح پُر کردے جس طرح کہ وہ ظلم وجور سے پُر ہو جائے گی اور وہ حضرت ابن حسن عسکریؑ غائب منتظر ہیں عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف اور آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے اجماع کے تابع ہونے کی وجہ سے اُن کا اس پر اجماع ہے۔ اور اہل بیت علیہم السلام کا اجماع حجت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن سے "رجس" کو دور کیا ہے لہٰذا اُن کا قول حجت ہے، کیونکہ وہ حق ہی کے ساتھ کلام کرتے ہیں پس ان کے شیعوں کا اجماع حجت ہے کیونکہ وہ قول معصوم علیہ السلام کا کاشف ہے۔

اور عامہ کے نزدیک یہ اس لئے حق ہے کہ ان میں سے اکثر ہمارے قول کی تائید کرنے والے ہیں۔ اور کچھ اُن میں سے یہ کہتے ہیں کہ وہ اب تک پیدا نہیں ہوئے اور کچھ لوگ اُن میں سے یہ کہتے ہیں کہ وہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں لیکن جو حدیث فریقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ "جو شخص اپنے امام زمانہ کی معرفت کے بغیر مرا وہ جاہلیت کی موت مرا"۔ یہ

حدیث ان دونوں اقوال کی رد کرتی ہے۔ اور اسی امام پر صادق آتی ہے جو ہمارے اس زمانہ میں موجود ہو، کیونکہ جو شخص ہمارے اس زمانہ میں مرجائے اور امام زمانہ کی معرفت نہ رکھتا ہو وہ جاہلیت کی موت مرا، اور یہ اس صورت میں ہی میں صحیح ہو گا جب کہ امامؑ موجود ہوں، باوجود یکہ یہ بقائے تکلیف تک کے لئے لطف کے تکلیف ہے اور بغیر لطف کا وجود صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ شرط ہے اور شرط کی عدم موجودگی میں مشروط بھی معدم ہو جاتا ہے، پس وہ تمام علماء جو اس بات کے قائل ہیں کہ امام مذکور پیدا ہو چکے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ امام مذکور موجود ہیں اور یہ نہیں کہتے کہ وہ پیدا ہو کر مر چکے ہیں اور جو ان کے وجود اور طول عمر کو بعید قرار دیتا ہے وہ از روئے حکمت خطاء کا مرتکب ہوتا ہے۔

کیونکہ اللہ نے اُس کی ایک ایسی دلیل بنائی ہے جس کو رد کرنا ممکن نہیں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس نے حضرت خضر علیہ السلام کو خلق کیا جن کے دادا حضرت ہود علیہ السلام ہیں اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد پیدا ہوئے جیسا کہ دو قولوں میں سے یہ مشہور قول ہے اور وہ اب تک باقی اور زندہ ہیں اور صور پھونکنے تک زندہ رہیں گے اور وہ بذات خود قائم علیہ السلام کے وجود پر ایک دلیل ہیں نیز ابلیس جو اللہ کا دشمن ہے وہ وقت معلوم تک باقی ہے، جب اللہ کے دشمن کا باقی رہنا جائز ہے اور حضرت خضر کا باقی رہنا جائز ہے حالانکہ وہ مصلحت جزئیہ پر دلیل ہے بنسبت اس کلی دلیل ہے کہ کائنات عالم میں اللہ کی نگہبانی کا مرکز اور قطب کا وجود

موجود ہو، لہذا یہ کیونکر جائز نہ ہو کہ ایک ایسی ہستی بھی باقی ہو جس کی بقاء پر تمام دنیا میں مصالح نظام منحصر ہیں حالانکہ اُمت کی روایات واقوال متفق ہیں کہ حضرت قائم علیہ السلام کے قیام کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ ''اگر دنیا میں ایک دن بھی باقی رہ جائے تو اللہ اس کو اتنا طویل کردے گا کہ میرے اہل بیتؑ میں سے یا میری ذریت میں سے یا میری اولاد میں سے ایک میرا ہم نام وہم کنیت فرزند کھڑا ہوگا''۔ اور عامہ میں سے جو جو لوگ کہتے ہیں کہ وہ عیسیٰ بن مریم ہیں اُن کے قول کو بھی یہ حدیث جھلاتی ہے۔ جس کے مفہوم پر سب کا اتفاق ہے۔ کیونکہ عیسیٰؑ آنحضرت کے اہل بیتؑ میں سے نہیں ہیں اور نہ اُن کی ذریت میں سے ہیں اور نہ ان کا نام آنحضرتؐ کے نام کی طرف ہے اور نہ اُن کی کنیت ان کی کنیت کی طرح ہے۔ اور جو یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں امام مہدی سے مراد مہدی عباسی ہے، تو اس کی تکذیب بھی اس حدیث میں ثابت ہے، کیونکہ وہ ان کی اہل بیت سے نہیں ہیں اور نہ ذریت سے ہیں نہ اولاد سے ہیں۔ پس منصف اور طالب حق کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ اس بات کا قائل ہو کہ وہ ہمارے آئمہ علیہم السلام میں سے ہی بارھویں امام ہیں جو کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں، اللہ ان کا ظہور جلد فرمائے اور اُن کی تشریف آوری آسان فرمائے۔

فصل

اوصیاء کے متعلق ہمارا عقیدہ

اور یہ عقیدہ رکھنا بھی واجب ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اوصیاء برحق ہیں اُن پر اور اُن کے انبیاء پر ایمان لانا واجب ہے انہوں نے اللہ کی طرف سے تبلیغ حق کی ہے اور کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی اطاعت اجابت عمل و ذکر و شکر پر ان کی تعریف کی ہے، اور جس کی تعریف اللہ کرے اُس کا قول حق اور اس کا عمل و فعل بھی حق ہے اور واجب ہے کہ ان تمام امور پر ایمان لائیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و اوصیاء پر نازل کیا ہے یعنی اُس کی کتب اور وحی اور جو کچھ ملائکہ نے اُن کی طرف پہنچایا ہے۔ کیونکہ خداوند عالم نے اس کی خبر دی ہے اور آنحضرتؐ اور اُن کے صادق خلفاء و حجج نے بھی ان کے بارے میں آگاہ کیا ہے اور جو اس طرح ہوگا وہ حق و صدق ہے اور میں اُن کے متعلق یہ شہادت دیتا ہوں کہ انہوں نے اپنی طرف نازل شدہ احکام کو بندوں تک پہنچادیا ہے اور رسولوں کا کام صرف یہ ہے کہ وہ واضح طور پر پہنچادیں!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب پنجم

معاد یعنی قیامت
کا
بیان

معاد یعنی قیامت کا بیان

مکلف پر واجب ہے کہ وہ وجود معاد کا اعتقاد رکھے۔ معاد سے مراد یہ ہے کہ بروز قیامت ارواح اپنے اجسام کی طرف واپس لوٹیں گی اور وہ اس لئے ہے کہ جب لوگ مر جائیں گے تو اُن کی ارواح تین اقسام پر ہوں گی۔

ایک صنف، جو خالص طور پر ایمان رکھنے والی ہوں گی اور ایسے اشخاص کی ارواح موت کے بعد جنت دنیا کی طرف جائیں گی اور اُن میں نعمت حاصل کریں گی اور جب روز جمعہ اور عید کا دن ہوتا ہے تو طلوع فجر ثانی کے وقت ان کے پاس فرشتے ایسی نورانی اونٹنیاں لے کر آتے ہیں جن پر یاقوت وزمرد اور زبرجد اور موتیوں کے گنبد ہوتے ہیں اور وہ ان پر سوار ہو کر آسمان اور زمین کے درمیان پرواز کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ وادی السلام میں آتے ہیں جو پشت کوفہ کی جانب واقع ہے، اور وہاں اوّل زوال تک رہتے ہیں پھر وہ فرشتے سے اجازت لے کر اپنے اہل اور اپنی قبور کی زیارت کے لئے جاتے ہیں حتیٰ کہ ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو جاتا ہے۔ پس فرشتہ ان کو صدا دیتا ہے اور وہ جنت کے بالا خانوں کی طرف پرواز کرتے ہیں اور آل محمد علیہم السلام کی رجعت تک اسی طرح رہیں گے پس وہ دنیا کی طرف رجوع کریں گے۔ پس جو شخص دنیا میں قتل ہو گیا ہوگا وہ دنیا میں اپنی دگنی عمر زندہ رہے گا حتیٰ کہ اُس کو موت آجائیگی اور جو دنیا میں اپنی

موت مر گیا اور وہ دوبارہ پلٹے گا حتے کہ قتل ہو جائے گا۔ پس جب اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی اہل بیت علیہم السلام کو زمین سے اٹھالے گا تو لوگ چالیس دن تک افراتفری میں رہیں گے اور اسرافیل ایک صور پھونکے گا جس سے گرجدار چیخ پیدا ہوگی اور ارواح وحرکات باطل ہو جائیں گی اور چار سو برس تک کوئی حس ومحسوس نہ رہے گی حتیٰ کہ صور پھونکا جائے گا اور اجسام کے اجزاء متفرق ہو جائیں گے اور اپنی قبروں میں اس طرح گول دائرہ میں باقی رہیں گے جس طرح کہ سنار کی دکان میں سونے کا برادہ پڑا رہتا ہے۔

اور ان میں دوسری قسم ان ارواح کی ہے جو خالصۃً کافر ہیں اور موت کے بعد ان ارواح کو مطلع شمس کے پاس جمع کیا جاتا ہے اور غروب آفتاب کے وقت ان کو حضرت موت کی ایک وادی ''برہوت'' کی طرف بھیج دیا جاتا ہے جہاں صبح تک ان پر عذاب جاری رہتا ہے اور ملائکہ عذاب ان کو ہانک کر پھر مطلع شمس کے پاس لاتے ہیں اور صور پھونکنے تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا اور اُن کے اجسام اپنی قبروں میں باقی رہتے ہیں اور مشرق میں ہونے والی آگ سے اُن کے پاس دھواں اور چنگاریاں آتی رہیں گی اور یہ سلسلہ بھی نفخ صور تک باقی رہے گا۔ تیسری قسم ان ارواح کی ہے جو نہ خالصۃً مومن ہیں اور نہ خالصۃً کافر، اور ان کی ارواح اپنے اجسام کے ساتھ قیامت تک باقی رہیں گی اور جب دو صور پھونکنے کے درمیان چار سو برس کا عرصہ گزر جائے گا تو اللہ تعالیٰ اُن پر زیر عرش

ایک سمندر سے، جس کا نام ''صاد'' ہے، بارش برسائے گا جس کی بو منی کی طرح ہوگی جتنے کہ ساری زمین ایک سمندر ہو جائیگی اور روئے زمین پر یہ سمندر موجزن ہوگا۔ حتیٰ کہ ہر جسم کے اجزاء اس کی قبر میں جمع ہو جائیں گے اور چالیس دن کے عرصہ میں ان کے گوشت پوست پیدا ہو جائیں گے پھر اللہ تعالیٰ اسرافیل کو حکم دے گا اور وہ اس طرح صور پھونکے گا کہ ارواح اڑ کر اپنی قبروں میں اپنے ابدان سے جاملیں گی اور مرنے والے اپنے سروں سے خاک جھاڑ کر قبروں سے نکل پڑیں گے ارواح کا اپنے اجسام کی طرف اس طرح لوٹنا جس طرح کہ وہ دنیا میں اجسام سے پیوستہ تھیں، اور اس پر ایمان لانا واجب ہے کیونکہ یہ ایک امر ممکن ہے جس پر اللہ قادر ہے اور اللہ تعالیٰ اور صادق و امین رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بارے میں خبر دی ہے، لہٰذا وہ حق ہے۔ اور کیونکہ روز قیامت ثمرہ عدل و انصاف اور یوم جزاء اعمال ہے اور اس کا برپا نہ کرنا ثواب دینے میں انصاف کے منافی ہے۔ اور عذاب کے واقع نہ ہونے میں عدل کے منافی ہے۔ کیونکہ یہ مکلفین کے لئے لطف ہے جو اُن کے لئے فعل اطاعت پر مدد کرتا ہے اور گناہوں سے روکتا ہے لہٰذا یہ از روئے حکمت واجب ہوگا اور کیونکہ یہ اصول اسلام میں سے ایک اصل ہے اور اس کے وقوع کے اعتقاد کے بغیر اسلام متحقق نہیں ہو سکتا اور اس کا منکر کافر ہے لہٰذا اس کا وقوع حق ہوگا اور کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مکلف بنایا ہے اور اُن کو اپنی طاعت کا حکم دیا ہے اور اپنی معصیت سے روکا ہے اور

عہد شکنی پر دھمکی دی ہے۔ اور بندوں میں سے بعض بندوں سے اطاعت اور بعض سے معصیت کا وقوع ہوا ہے اور اس کے وعدہ وعید کے مطابق اب تک جزاء واقع نہیں ہوئی اور خدا نے بھی اس کی خبر دی ہے کہ اس کو یوم قیامت پر موخر کیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ:

''وہ ان کو اس دن تک موخر کرے گا جس دن آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی''۔ [1]

اور ارشاد فرمایا: ''وہ تم سے عذاب جلد طلب کرتے ہیں اور اللہ ہرگز وعدہ خلافی نہیں کرے گا۔ اور تیرے رب کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی کے ایک ہزار سال کے برابر ہے''۔ [2]

اور اس طرح کی دیگر آیات، لہٰذا اس کا وقوع حق ہے اور اس کے صادق قادر خداوند عالم نے خبر دی ہے۔

---

[1] سورہ ابراہیم: آیت: ۴۳)۔

[2] سورہ الحج: آیت: ۴۶)۔

فصل

حشر وحساب کی اہمیت

اور جب روز حشر محض اس لئے ہے کہ عدل حق کا تقاضا پورا ہوتو واجب ہے کہ ہر ذی روح کو دوبارہ زندہ کیا جائے تاکہ اس کو اس کے عمل خیر وشر کی جزاء دی جائے اور اس پر زیادتی اور ظلم کرنے والے سے اس کا حق لیا جائے پس یہ تین حالات ہیں یعنی مکلف کو اس کے عمل خیر وشر کو بدلا دینا اور ظالم سے اس کا حق لینا اور ظلم کرنے والے سے حق لینا تمام حیوانات، جن وانس، شیاطین اور تمام قسم کے ذی روح حیوانات کو بھی شامل ہے مگر یہ ہر شئے بلکہ ایک ہی نوع والی اشیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ سبحانہ، نے فرمایا ہے۔ اور ہر ایک کیلئے اس کے عمل کے مطابق درجات ہیں اور اس پر دلیل حشر وحساب تمام حیوانات ناطقہ وصامتہ کے لئے خود اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

''اور زمین میں جو بھی حیوان اور اپنے پروں سے اڑنے والے پرند ہیں یہ سب تمہاری طرح امتیں ہیں اور ہم نے کتاب میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں کی۔ پھر ان کو ان کے رب کی طرف محشور کیا جائے گا''۔ [۱]

اور آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ ''سینگ والے حیوان سے بغیر سینگ والے حیوان پر ظلم کرنے کا بھی بدلہ لیا جائے گا''۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول:

''تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا''۔ ۲

اور اس کی تاویل اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب حق کے لئے اس کا حق لے گا اگرچہ وہ صامت کے لئے ناطق سے ہو یا صامت سے ناطق کے لئے ہو۔ بلکہ بعض جمادات مثلاً پتھر وغیرہ اور درخت، کہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی پوجا کی جاتی تھی، ان سے اس کا قصاص لیا جائے گا۔ کیونکہ اصل میں وہ اس پر راضی تھے۔ اس پر یہ قول باری تعالیٰ دلالت کرتا ہے کہ:

''تحقیق تم اللہ کو چھوڑ کر اور جن کی عبادت کرتے ہو یہ سب جہنم کا ایندھن ہوں گے اور تم اس میں وارد ہو گے''۔ ۳

اگر تم یہ کہو کہ یہ چیزیں اپنے معبود ہونے پر کس طرح راضی ہیں حالانکہ یہ بلا شعور و عقل ہیں، تو میں جواب دوں گا کہ ان کے وجود کے لحاظ سے ان میں عقل و شعور موجود ہے۔ کیونکہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ:

---

۱ سورۂ انعام: آیت: ۳۸)۔

۲ سورۂ کہف: آیت: ۴۸)۔

۱ سورۂ انبیاء: آیت: ۹۸

۲ ایضاً : آیت: ۹۹

لو کان ہولاء الھۃ ما وردوھا۔ ۱؎

''اگر یہ خدا ہوتے تو اس جہنم میں وارد نہ ہوتے''۔

اللہ نے ان اشیاء کے لئے عقلاء والی ضمیر استعمال کی ہے۔ اگر یہ ذوی العقول نہ ہوتے تو اللہ مَا وَرَدُ وھا کی بجائے مَا وَرَدَ تھا کہتا۔ اور اسی طرح یہ آیت شریفہ: ''پس اللہ نے اس کو اور زمین کو کہا بخوشیا بجبر آؤ انہوں نے کہا کہ ہم بخوشی آتے ہیں''۔ ۲؎

یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے طائعین کا لفظ استعمال کیا ہے جو ذوی العقول کے لئے ہے ورنہ وہ طائعات استعمال فرماتا۔

۲؎ سورہ فصلت: آیت: ۱۰۔

۱؎ ''ایلوا'' ایک تلخ دوا ہے۔ (مترجم)

فصل

موجودات کی عقوبت

جمادات و اشجار سے قصاص دنیا میں ہے۔ جیسا کہ بہت سی احادیث میں وارد ہے۔ مثلاً زمزم نے فرات پر فخر کیا تو اللہ نے اس میں ''ایلوے'' کا ایک چشمہ جاری کر دیا۔ اور جیسا کہ آنحضرت کا ارشاد ہے: ''اگر ایک پہاڑ بھی دوسرے پر سرکشی کرے گا تو اللہ اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا''۔ اور اس طرح بہت سی احادیث ہیں اور جمادات و نباتات کے لئے بھی عقوبت ہے۔ مثلاً روایات میں وارد ہوا ہے کہ شوردار زمین اور نمکین پانی اور تلخ نباتات مثلاً تلخ خربوزہ جب ان پر محمدؐ و آل محمدؐ کی ولایت پیش کی گئی تو جس نے اس کو قبول نہ کیا وہ تلخ و نمکین بنائی گئی۔ اور ان کی عقوبت دنیا میں اس لئے رکھی گئی ہے کہ ان کو کوئی کلی اور قوی اختیار نہیں ہے تاکہ ان کے لئے آخرت کا انتظار کیا جائے تاکہ وہ پلٹیں اور چونکہ ان کا ادراک کلی نہیں ہے۔ اس لئے ان کا رتبہ آخرت کی طرف نیچے ہے بلکہ اُن کا اختیار جزئی ہے۔ ان کے رجوع کی امید نہیں کی جاتی اور جس کا ادراک جزئی ہے اس کا رتبہ نوع آخرت سے نہ ہوگا اور بتوں کی عقوبت کو آخرت کی طرف اس لئے مؤخر کیا گیا ہے کہ اگرچہ اُن کا ادراک جزئی ہے مگر اللہ کو چھوڑ کر اُن کو معبود ماننے والوں کی تذلیل کی جا سکے۔

فصل

اعمال پر اشیاء کی شہادت

اور جن باتوں پر اعتقاد رکھنا واجب ہے اُن میں سے اعضاء میں گویائی پیدا کرنا بھی ہے تا کہ مکلفین کے یہ اعضاء اُن کے عمل کے متعلق گواہی دیں۔ چونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اُس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں اور پاؤں ان کے عمل کے متعلق گواہی دیں گے"۔ [1]

اور بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں کہ زمین کے ٹکڑے بھی اُن پر لوگوں کے ہونے والے اعمال کے متعلق گواہی دیں گے۔ اور دنوں اور راتوں اور گھڑیوں اور مہینوں اور سالوں کو محشور کیا جائے گا تا کہ وہ لوگوں کے اعمال کے متعلق گواہی دیں اور عقل اس کی تائید کرتی ہے اور جب عقل و نقل کسی شئے کے ثبوت کے لئے مطابق ہو جائے تو اُس کے ثابت ہونے کا اعتقاد واجب ہو جاتا ہے۔

---

[1] سورہ النور: آیت: ۲۴

فصل

نامۂ اعمال کی حقیقت

اور جن چیزوں پر اعتقاد رکھنا واجب ہے اُن میں سے ''تطاریکتب'' بھی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے اور اُس کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اُس پر اینٹیں جوڑ دی جاتی ہیں تو اُس کے پاس قبر میں امتحان لینے والا ایک فرشتہ آتا ہے جس کا نام ''رومان'' ہے۔ یہ منکر ونکیر سے پہلے آتا ہے اور مرنے والے سے حساب لیتا ہے اور کہتا ہے کہ اپنے عمل کو لکھ، وہ کہتا ہے کہ میں اپنے اعمال بھول گیا ہوں، پس وہ کہتا ہے میں تجھے یاد دلاتا ہوں، وہ کہتا ہے کہ میرے پاس کاغذ نہیں ہے تو وہ کہتا ہے اپنے کفن کے بعض حصے پر لکھ لو، وہ کہتا ہے میرے پاس قلم نہیں ہے، وہ کہتا ہے اپنی انگلی سے لکھ لو، وہ کہتا ہے میرے پاس دوات نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے اپنے منہ کے لعاب سے لکھو۔ پس رومان اس کو تمام چھوٹے بڑے گناہوں کو لکھواتا ہے۔ پس وہ لکھا ہوا ٹکڑا اس میت کی گردن میں طوق بنا دیتا ہے جو اس پر کوہ احد سے بھی زیادہ گراں ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس مطلب کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ:

''ہم نے ہر انسان کے اعمال نامہ کو اُس کی گردن پر چسپاں کر دیا ہے اور بروز قیامت ہم اس کے لئے ایک کتاب نکالیں گے جس کو وہ کھلا ہوا پائے گا''۔ ؎

اور جب قیامت کا دن ہو گا تو اعمال نامے پر پرواز کرتے ہوئے آئیں گے اور جو نیک سیرت ہو گا اس کا نامہ اعمال آگے سے آئے گا اور وہ اس کو اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑے گا اور جو بد کار ہو گا اس کا نامہ اعمال اس کے پیچھے سے آئے گا اور آ کر اس قدر ضرب لگائے گا کہ اس کی پشت پھٹ جائے گی اور سینے سے نامہ اعمال نکل آئے گا اور وہ اس کو بائیں ہاتھ میں تھامے گا پس تمام کی تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کے قرآن ناطق جناب امیر المومنینؑ علیہ السلام کے سامنے پیش ہوں اور اعمال اُن کے پاس ہی پیش کئے جاتے ہیں اور وہی مخلوقات کو ان کے اعمال سے آگاہ کریں گے اور ہر ایک اپنے نامہ اعمال کو دیکھ رہا ہو گا اور آپ کا بتایا ہوا ایک ایک صرف نامہ اعمال کے مخالف نہ ہو گا اور اللہ تعالیٰ کے قول کا یہی مفہوم ہے کہ:

؎ سورہ اسراء: آیت ۱۵

''اور ہر امت کو زانوں کے بل گرا ہوا دیکھو گے اور ہر امت اپنے نوشتہ کی طرف بلائی جائے گی اور آج تم کو تمہارے اعمال کی جزا دی جائے۔ ہماری یہ کتاب تم پر حق کے ساتھ بولتی ہے اور آج تم سب کچھ لکھتے ہیں جو تم کرتے تھے''!

کیونکہ جناب امیر المومنینؑ پر ہی دار دنیا میں اعمال پیش کئے جاتے تھے۔

فصل

میزان کی حقیقت

اور ان میں سے مخلوقات کے اعمال کے میزان کا عقیدہ بھی ہے ایک روایت میں ہے کہ میزان دو پلڑوں والا ترازو ہوگا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ یہ کوئی حقیقی ترازو نہیں ہے بلکہ آئمہ معصومین علیہم السلام کی ولایت ہے۔ اور ایک قول ہے کہ وہ اس بات سے عبارت ہے کہ اللہ تعالی عادل ہے اور اس کو استحقاقات کی مقادیر کا علم ہے یعنی ان میں سے راجح کون ہے اور مرجوح کون۔ اور حق یہ ہے کہ ان تینوں اقوال میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ اس کے دو پلڑوں سے مراد یہ ہے کہ ایک پلڑا نیکیوں کا ہوگا اور دوسرا برائیوں کا، اور میزان ہی ولایت آئمہ معصومین علیہم السلام ہے اور وہی عدل خداوندی ہے۔ اور تمام اقوال کی وجہ جمع کو بیان کرنے کیلئے یہ رسالہ نہیں لکھا گیا۔ اور اسی قدر اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ بروز قیامت اعمال مکلفین کی تمیز کے لئے ترازو نصب کئے جائیں گے اور اس میزان کی توجیہات کے متعلق

اعتقاد رکھنا واجب نہیں ہے اور یہ باتیں کمال معرفت میں داخل ہیں اور اس کے اجمالی طور پر موجود ہونے پر قرآن مجید کی یہ آیت دلالت کرتی ہے:

''ہم بروز قیامت عدل کے ترازو نصب کریں گے اور جن کے ترازو بھاری ہوں گے وہ کامیاب ہوں گے اور جن کے ترازو ہلکے ہوں گے وہ خسارے میں ہوں گے اور ہمیشہ جہنم میں رہیں گے''۔ [1]

---

[1] سورۂ المومنون: آیت: ۱۰۴

فصل

صراط کی حقیقت

اور جن امور پر اعتقاد رکھنا واجب ہے اُن میں سے "صراط" بھی ہے جو کہ جہنم پر بنا ہوا ایک پُل ہے۔ اس کی پہلی گھاٹی محشر سے جنت کی طرف بلند ہوتی ہے اور جنت تک بلندی کے لئے ایک ہزار سال میں طے ہونے والا راستہ ہے اور اترنے کا راستہ بھی ایک ہزار سال کا ہے اور اس بلندی اور ڈھلوان کے درمیان ہزار سال میں طے ہونے والی ہموار جگہ ہے اور اس ہموار جگہ پر پچاس گھاٹیاں ہیں اور ہر ہر گھاٹی پر مخلوقات کو ایک ایک ہزار سال ٹھہرنا پڑے گا اور یہ پُل تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے۔ اور اطاعت کرنے والے کے لئے یہ آسمان اور زمین کی درمیانی وسعت کی طرح کشادہ ہوگا اور گنہ گار پر تنگ ہوگا اور لوگ اس میں اپنے اعمال کے مطابق گزریں گے۔ بعض لوگ کوندتی ہوئی بجلی کی طرح گزر جائیں گے اور بعض گھوڑے کی رفتار کے مطابق گزریں گے اور بعض پیادہ پا گزریں گے اور کچھ رینگتے ہوئے گزریں گے اور کچھ لوگ گزرتے ہوئے وہاں لٹک جائیں گے اور جہنم کی آگ ان کے بعض حصے کو پکڑ لے گی اور کچھ حصہ کو چھوڑ دیگی۔ اور یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ یہ پل صراط قیامت کے دن ہوگی اور تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہوگی اور یہ جہنم پر بنی ہوئی ایک پُل ہوگی۔

اور مخلوقات کو اس کے اوپر سے گزرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ البتہ اس پل کی کیفیت اور اس پر چڑھنے اور اترنے اور اس کے مطلب کی تفصیلی معرفت حاصل کرنا واجب نہیں ہے۔ اور جو کچھ ہم نے یہاں بیان کیا ہے اُس پر وہ متواتر احادیث موجود ہیں جو فریقین کے مابین مسلم ہیں اور اس عقیدہ پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔

فصل

حوض کوثر

اور واجب الاعتقاد اُمور میں حوض بھی ہے جس کا نام ''حوض کوثر ہے'' کیونکہ اس میں ''کوثر'' نامی نہر سے پانی آتا ہے۔ اور حوض کوثر بروز قیامت ایک میدان میں ہوگا۔ جس میں جناب امیر المومنینؑ پیاسے مومنوں کو سیراب کریں گے۔

فصل

شفاعت

اور ان عقائد واجبہ میں شفاعت بھی ہے۔ یعنی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کے گناہ کبیرہ کے مرتکب لوگوں کی شفاعت کریں گے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''میں نے اپنی شفاعت کو اپنی امت کے

گناہگاروں کے لئے ذخیرہ کیا ہے جو گناہان کبیرہ کے مرتکب ہوں گے"۔ اور بہت سی احادیث میں وارد ہے کہ آنحضرتؐ انبیا علیہم السلام اور اپنے اہل بیت کی شفاعت کریں گے جن کا دین اللہ کو پسند ہو گا اور آئمہ علیہم السلام اپنے شیعوں کی شفاعت کریں گے اور اُن کے شیعہ محبوں میں سے جن کو چاہیں گے اُن کی شفاعت کریں گے اور شفاعت کے متعلق اسی قدر اعتقاد واجب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کے گناہگاروں کی شفاعت کریں گے لیکن تفصیل وترتیب اس کے مطابق ہے جو کہ دلیل سے صحیح ہے اور ایمان ومعرفت کی تکمیل واتمام میں سے ہے۔

فصل

وجود جنت

اور جن اُمور پر اعتقاد رکھنا واجب ہے اُن میں سے وجود جنت اور اُس کے دائمی نعمات جنت کا وجود بھی ہے اور یہ جنت خلد ہے۔ جنات خلد کی تعداد مطابق احادیث وقرآن مجید آٹھ ہے۔ اور جنت ہائے دنیا بھی موجود ہیں جن کی طرف مؤمنین کی ارواح صور پھونکنے اور بیہوش کرنے والی چیخ کے ظہور تک پناہ لیتے ہیں۔

ان دونوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:۔

اور یہ جنات دنیا کے جنات ہیں۔ کیونکہ آخرت کی جنات میں صبح و شام کا وجود نہ ہوگا۔ پھر ارشاد فرمایا:

''یہ وہ جنت ہے جس کا وارث ہم اُن کو بنائیں گو جو پرہیز گار ہوں گے''۔ [۲]

اور یہ آخرت کی جنات ہیں۔ اور ان کی تعداد آٹھ ہے، جن کے نام یہ ہیں:

[۱] سورہ مریم: آیت: ۶۲

۱)۔ جنت الفردوس

۲)۔ جنت عالیہ

۳)۔ جنت نعیم

۴)۔ جنت عدن

۵)۔ جنت دارالسلام

۶)۔ جنت الخلد

۷)۔ جنت الماویٰ

۸)۔ جنت دارالمقام

[۲] سورہ مریم: آیت: ۶۳

اور جنات حظائیر کی تعداد سات ہے۔ اور ہر حظیرہ جنات اصل کی جنت کا سایہ ہے اور جنات عدن کا کوئی سایہ نہیں۔ پس آخرت میں پندرہ قسم کی جنتیں ہیں۔ اور یہی مشہور اصول ہیں۔ اور ہر آسمان کے اُوپر ایک جنت ہے اور آٹھویں جنت کرسی کے اوپر ہے۔ اور حظائیر کی سات جنتیں آٹھ جنتوں کے نیچے ہیں ار اُن سے کم ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ جنات حظائیر میں مخلوقات کی تین اقسام رہیں گی۔ مؤمنین جنات، اور مومنین کی اولاد زنا، وہ جنہوں نے دنیا میں عمل صالح کئے اور ایمان خالص رکھتے تھے وہ جنت ظلی میں نہیں جنت حقیقی (یعنی سایہ جنت بوجہ اخلاص) میں ہوں گے اور سات پشتوں تک ان کی اولادیں، اور وہ دیوانے لوگ جن پر تکلیف شرعی عائد نہیں ہے اور اُن کے اقرباء بھی نہیں جو اُن کی شفاعت کریں تا کہ یہ اُن کے ساتھ ملحق ہو جائیں۔ اور جنات حظائر جنات اصل کی طرح ہیں۔ مثلاً وہ شمس جو چوتھے آسمان میں ہے اُس کا نام شمس ہے اور اُس کی چمک جو زمین پر پڑتی ہے اُس کا نام بھی عربی میں شمس ہے۔ اور واجب یہ ہے کہ جنت کے وجود اور اُن کی نعمتوں کا اعتقاد رکھا جائے اور ان تفصیلات پر اعتقاد رکھنا واجب نہیں ہے۔ اور ان پر دلیل خود قرآن اور احادیث اور اجماع ہے۔

فصل

جہنم کا بیان

اور جن اُمور کا اعتقاد واجب ہے اُن میں سے جہنم کا موجود ہونا ہے اور اس کے اندر کے وہ دردناک عذاب جو اللہ کے تیار کر رکھے ہیں۔ اور یہ ہمیشہ کے لئے رہنے والی سات قسم کی جہنم ہیں، سات دنیا کی اور سات آخرت کی۔ دنیا کی سات آگیں مقام طلوع شمس کے پاس ہیں۔ قرآن مجید جہنم کے ذکر کے متعلق آگاہ کرتا ہے کہ وہ موجود ہے۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

''آل فرعون کو بُرے عذاب نے گھیر لیا جس پر اُن کو صبح و شام پیش کیا جاتا ہے''۔ [۱]

اور یہ دنیا کی آگوں کے متعلق ہے۔ کیونکہ آخرت میں صبح و شام کا وجود نہیں ہے۔ اور جب قیامت قائم ہوگی اور جس آگ پر آخرت و قیامت میں اُن کو پیش کیا جائے گا وہ یہ نہیں ہیں۔ کیونکہ دُنیا کی آگیں قیامت میں موجود نہ ہوں گی۔ اور جس آگ پر قیامت کے دن اُن کو پیش کیا جائے گا وہ اس کے علاوہ ہے جس میں صبح و شام کا ذکر ہے۔ اور تمام علماء تفسیر و قرأت اس بات پر متفق ہیں کہ

---

[۱] سورۂ مومن: آیت: ۵

آیت مذکورہ میں الساعۃ پر وقف ہے۔ کیونکہ اگلا جملہ ادخلوا ال فرعون سے شروع ہوتا ہے۔ اور خداوند عالم نے اور سنت نبویہ نے واضح طور پر دنیا و آخرت میں آگوں کے موجود ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ اور مطلق طور پر جہنم کے موجود ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اختلاف صرف کیفیت اور صفت میں ہے کہ آیا وہ بالفعل موجود ہیں یا بالقوت۔ اور جو موجود ہیں وہ ان کے کلیات ہیں اور جزئیات فعلاً موجود نہیں البتہ بتدریج پائے جائیں گے۔ اور اختلاف صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ جہنم دنیا و جہنم آخرت بالفعل موجود ہیں جس پر قرآن و حدیث خصوصاً احادیث معراج دلالت کرتی ہیں۔ کیونکہ آنحضرتؐ شب معراج ان میں داخل ہوئے ہیں اور ان میں عذاب پانے والوں کو دیکھا۔ اور اسی قدر اعتقاد واجب ہے کہ یہ موجود ہیں اور ان کے عذاب بھی موجود ہیں۔

اور جاننا چاہیے کہ دائمی طور پر مسلسل تکلیف آخرت کی آگوں میں ہوگی جن میں کوئی انقطاع اور اختتام نہ ہوگا بلکہ جس قدر زمانہ طویل ہوگا اس کے اہل پر اسی قدر عذاب طویل ہوگا، جو کہ صریح قرآن اور احادیث اور اہل عصمت علیہم السلام سے ثابت ہے اور عقلی دلیل بھی اس کے متعلق فیصلہ دیتی ہے۔ جیسا کہ اپنے مقام پر ثابت شدہ ہے۔ اور آخرت کی آگیں چودہ طبقات پر مشتمل ہیں ان میں سے سات اصل ہیں۔ ان میں سے پہلا اور سب سے اونچا طبقہ...... جحیم ہے۔ دوسرا...... لظیٰ ہے۔ تیسرا...... سقر ہے۔ چوتھا...... حطمہ ہے۔

پانچواں ...... ھاویہ ہے۔ چھٹا ...... سعیر ہے۔ ساتواں ...... جھنم ہے۔ اور پھر جہنم کے تین طبقات ہیں: ایک فلق ہے اور وہ ایک کنواں ہے جس میں تابوت رکھے ہیں۔ اور دوسرا صعود ہے۔ جو کہ جہنم کی آگ کا ایک پہاڑ ہے جو کہ وسط جہنم میں ہے۔ اور تیسرا ...... اثام ہے۔ جو کہ پگھلے ہوئے تانبے کی ایک وادی ہے جو اس کے اردگرد بہتی ہے۔ اور خطائر کی آگیں اصل آگوں کا سایہ ہیں نگران کا نام بھی ان کی اصل کے مطابق رکھا گیا ہے اور نیران الخطائر میں ان شیعوں کو عذاب دیا جائے گا جو کہ گناہانِ کبیرہ کے مرتکب ہیں اور جہنم کی آگ کے مستحق ہیں۔

فصل

جنت کی نعمتوں کا دوام

اور یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ اہل جنت، جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے:

"جب بھی ان کو کوئی پھل رزق دیا جاتا ہے تو یہ کہیں گے یہ ہمیں پہلے ہی دیا گیا تھا"۔ [1]

---

[1] سورۂ بقرہ: آیت: ۲۴)۔

اور یہ عطیہ منقطع ہونے والا نہ ہوگا اور دائمی ہوگا جس طرح کہ اللہ کو وہ امر دائمی ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اور وہ لوگ جہنم سے نہ نکلیں گے۔ اس مطلب پر کتاب وسنت اور اجماع مسلمین شاہد ہے:

۱: "اور اہل جہنم اس میں ہمیشہ رہیں گے اور دائمی عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ ان سے عذاب کی تخفیف نہ ہوگی اور نہ اُن کا عذاب ختم ہوگا تا کہ ان کو موت آجائے"۔ ۱

۲: "جب بھی اُن کے بدن کی کھالیں پک جائیں گی تو اُن کی اور کھالیں بدل دیں گے تا کہ وہ عذاب کو چکھیں۔" ۲

اس پر بھی کتاب وسنت اور اجماع مسلمین شاہد ہے۔ اور اس سلسلہ میں جو مخالفت صوفیوں اور صاحبان نظریات منحرف اہل خلاف نے کی ہے ان کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اور نص کتاب وسنت کے بعد جن کی صحت پر اجماع ہو چکا ہے، اُن کا اختلاف نا قابل توجہ ہے۔ اور ہم نے اس پر عقلی اور عقلی دلائل قائم کئے ہیں۔

---

۱ سورۂ فاطر: آیت ۳۵)۔

۲ سورۂ نساء: آیت: ۵۶

فصل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان کردہ امور کی حقانیت

اور یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ جو قرآن نے بیان کیا ہے اور جو کچھ محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے ہیں کہ قیامت کا علم اور قبر میں منکر ونکیر کا سوال اُس شخص کے لئے برحق ہے جو کہ خالص ایمان یا خالص کفر پر ہے۔ اور معامہ حشر ونشر و مرصاد انہوں نے بتلایا ہے وہ بھی برحق ہے اور امام جعفر صادق نے فرمایا کہ ''صراط پُل پر قائم ہے اور اس پر کوئی ایسا بندہ خدا نہ گزرے گا جس پر کسی کا حق ہوگا۔ اور منہ پر مہریں لگنے کا معاملہ اور اعضاء میں قوت گویائی پیدا کرنے کا معاملہ اور جنت اور اُس کے حالات کھانا پینا، نکاح اور ہر قسم کی نعمتیں اور جہنم اور اُس کے احوال عذاب، طوق، عذاب قیمیص، لوہے کے ہتھوڑے، عذاب جحیم، زقوم، غسلین، وغیرہ سب برحق ہے اور ارشاد رب العزت ہے:

''قیامت آنے والی ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں۔ اور اللہ اہل قبور کو زندہ کرے گا۔''[1]

---

[1] سورہ حج: آیت: ۶)۔

خاتِمہ

دربیان رجعت

اور جن امور کا اعتقاد رکھنا واجب ہے ان میں سے محمدؐ اور اُن کی تمام اہلبیت صلوات اللہ علیہم کی رجعت بھی ہے جیسا کہ ہم نے اپنے اس جواب میں ذکر کیا ہے جو رجعت کے موضوع پر مشتمل ہے اور اس کا مختصر ذکر یوں ہے کہ جس سال قائم آل محمد صلوات اللہ وعجل اللہ کا ظہور ہوگا تو اس سال شدید قحط پڑے گا اور اسی سال میں ۲۰ جمادی الاوّل کو ایسی شدید بارش آئے گی جس کی مثل حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر آنے کے وقت سے لے کر اَب تک نہ آئی اور مسلسل اوّل ماہ رجب تک جاری رہے گی جس میں ان لوگوں کے گوشت پیدا ہوں گے جن مردہ لوگوں کو اللہ دوبارہ دنیا میں لانا چاہے گا اور اسی ماہ کے عشرہ اوّل میں دجّال اصفہان سے نکلے گا اور سفیانی بھی خروج کرے گا جس کا نام عثمان بن عنبسہ ہوگا جس کا باپ ابوسفیان کی اولاد سے ہوگا اور اس کی ماں یزید بن معاویہ کی اولاد سے ہوگی جو خشک وادی رملہ کی رہنے والی تھی۔

اور رجب ہی کے مہینہ میں سورج کی ٹکیہ میں جناب امیر المومنینؑ کا جسد مبارک ظاہر ہوگا جس کو تمام مخلوقات پہچان لیں گی اور آسمان میں اُن کے نام

پکارنے کی آواز آئے گی اور اواخر ماہ رمضان میں چاند گہن ہوگا اور رمضان کی پانچویں کو سورج گرہن ہوگا اور تیئس رمضان کو اوّل فجر کے وقت آسمان سے جبرئیلؑ کی آواز آئیگی کہ حق علیؑ اور اُن کے شیعہ کے ساتھ ہے۔ اور دنیا کے آخری حصہ میں ابلیس کی آواز آئیگی کہ آگاہ ہو جاؤ کہ حق عثمان شہید (ابن عنبسہ سفیانی) کے ساتھ ہے۔ ان دونوں صداؤں کو تمام مخلوقات اپنی اپنی بولیوں میں سنیں گی اور اس وقت باطل پرست لوگ شک کریں گے۔ اور پچیس ذی الحجہ کو رکن و مقام کے مابین ایک پاکیزہ نفس قتل کیا جائے گا جس کا نام محمد بن حسن ہوگا۔ اور دس محرم بروز جمعہ کو حضرت حجتہ علیہ السلام خروج کریں گے اور آٹھ کمزور بکریوں کو ہانکتے ہوئے مسجد حرام میں داخل ہوں گے اور ان کے خطیب کو قتل کردیں گے۔

فصل

انصار صاحب الامرؑ کا ظہور

جب وہ خطیب کو قتل کریں گے تو کعبہ میں ہی لوگوں سے اوجھل ہو جائیں گے اور ہفتہ کی رات کو رات ہی کے وقت کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اپنے تین سو تیرہ اصحاب کو آواز دیں گے اور زمین کی مشرق و مغرب سے ان کے پاس جمع ہو جائیں گے اور وہ ہفتہ کے دن صبح کو لوگوں کی اپنی بیعت کی طرف دعوت دیں گے۔ سب سے پہلے جبرئیل علیہ السلام ایک سفید پرندے کی صورت مین ان کی بیعت کریں

گے اور وہ مکہ ہی رہیں گے حتی کہ ان کے پاس دس ہزار افراد جمع ہو جائیں گے اور سفیانی اپنے دو لشکر بھیجے گا ایک کوفہ کی طرف اور ایک مدینہ کی طرف، جو ان شہروں کو تباہ و برباد کر دیں گے اور قبر شریف کو منہدم کر دیں اور ان کے خچر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بول و براز کریں گے اور پھر سفیانی کا لشکر مکہ کو منہدم کرنے کے لئے نکل جائے گا اور جب وہ ایک صحراء میں پہنچیں گے تو وہ ان کو زمین میں دھنس دے گی اور ان میں سے صرف دو آدمی نجات پائیں گے۔ ایک سفیانی سے ڈرائے گا اور دوسرا قائم علیہ السلام کی بشارت دے گا۔ پھر امام علیہ السلام مدینہ کی طرف نکل جائیں گے اور وہاں سے طاغوت کو نکال کر ان کو ایک درخت پر سولی دیں گے پھر وہ اللہ کی زمین پر چلیں گے اور دجال کو قتل کریں گے اور سفیانی سے ملاقات کریں گے۔ اور سفیانی خود آ کر اُن سے بیعت کرے گا اور اس کو اس کی نہنیال کی قوم بنی کلب کے لوگ کہیں گے اے سفیانی تو نے یہ کیا کیا؟ وہ کہے گا کہ میں اسلام لایا اور بیعت کر لی۔ وہ کہیں گے بخدا ہم تیری موافقت نہیں کریں گے۔ اور وہ اسی پر اصرار کرتے رہیں گے حتیٰ کہ سفیانی امام قائم علیہ السلام کے خلاف خروج کرے گا اور ان سے جنگ کرے گا اور اس کو حضرت حجۃ علیہ السلام قتل کر دیں گے اور مسلسل آپ اپنے اصحاب کو زمین کے مختلف اطراف میں بھیجتے رہیں گے حتیٰ کہ اُن کی حکومت قائم ہو جائے گی اور وہ زمین کو اس طرح عدل و انصاف سے پر کر دیں گے جس طرح کہ وہ ظلم وجور سے پُر ہو گئی تھی۔

فصل

امام صاحب العصر علیہ اسلام عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی شہادت

آپ کا مسکن کوفہ میں ہوگا اور آپ کے اہل کی رہائش مسجد سہلہ ہوگی اور آپ مسجد کوفہ میں فیصلے کیا کریں گے۔ اور آپ کی حکومت کی مدت سات برس ہوگی اور اللہ تعالیٰ راتوں اور دنوں کو طویل کر دے گا حتیٰ کہ ایک سال کی مقدار دس سالوں جتنی ہوگی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فلک کو حکم دے گا کہ وہ ٹھہر جائے۔ اس لحاظ سے آپ کی حکومت موجودہ سالوں کی نسبت ستر سال ہوگی اور جب اُن میں سے انچاس برس گزر جائیں گے تو امام حسینؑ علیہ السلام اپنے اُن بہتر انصار کے ساتھ ظاہر ہوں گے جو کہ آپ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے اور اسی طرح ملائکہ نصر اور وہ سر برہنہ بال پراگندہ ملائکہ بھی آپ کے ہمراہ ہوں گے جو کہ آپ کی قبر کے پاس رہتے ہیں۔ اور جب آپ کی حکومت کو ستر سال پورے ہو جائیں گے تو آپ کی وفات کا سال آجائے گا۔ اور آپ کو بنی تمیم کی ایک عورت قتل کرے گی جس کا نام سعیدہ ہوگا اور اُس کی مردوں کی طرح ڈاڑھی ہوگی۔ اور آپ راستے سے گزر رہے ہوں گے اور وہ چھت کے اوپر سے آپ کو ایک بھاری پتھر مارے گی۔ جب آپ وفات پا جائیں گے تو آپ کی تجہیز امام علیہ السلام فرما دیں گے پھر آپ حکومت کو قائم کریں گے اور

آپ کے لئے یزید بن معاویہ، عبید اللہ بن زیادہ اور عمر بن سعد شمر اور جوان کے ساتھی کربلا میں تھے، اُن سب کو اور اوّلین و آخرین میں سے اُن کے افعال پر راضی ہونے والوں کو (خدا اُن پر لعنت کرے) محشور کیا جائے گا اور امام حسین علیہ السلام اُن سب کو قتل کریں گے اور سے قصاص لیں گے اور اُن کے افعال پر راضی ہونے والے اور ان سے محبت کرنے والے سب کے سب لوگوں کو کثرت سے قتل کیا جائے گا حتی کہ ہر طرف سے شریر لوگ ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور ان کو بیت الحرام میں پناہ لینے پر مجبور کر دیں گے اور جب اُن پر معاملہ سخت ہو جائے گا تو اُن کی مدد کیلئے جناب امیر المومنینؑ ملائکہ کے ہمراہ تشریف لاویں گے اور دشمنانِ دین کو قتل کر دیں گے اور جناب امیر المومنینؑ اپنے فرزند حسین علیہ السلام کے ساتھ اصحاب کہف کی طرح تین سو نو برس زندہ رہیں گے اور پھر آپ کی فرق مبارک پر ضرب لگے گی۔ اللہ آپ کے قاتل پر لعنت کرے، اور امام حسین علیہ السلام اللہ کے دین کو قائم کریں گے وہ پچاس ہزار سال زندہ رہیں گے حتی کہ بڑھاپے کی شدت سے ان کی بھنووں پر پٹی باندھی جائیگی اور امیر المومنینؑ اپنی موت میں چار ہزار یا چھ ہزار برس یا دس ہزار برس باختلاف روایات رہیں گے۔

فصل

جناب امیرؑ کی رجعت ثانیہ

پھر علی علیہ السلام اپنے شیعوں میں دوبارہ واپس آئیں گے، کیونکہ آپ کو دومرتبہ قتل کیا جائے گا اور دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ خود آپ کا ارشاد ہے:

''میں وہ ہوں جس کو دومرتبہ قتل کیا جائے اور دومرتبہ زندہ کیا جائے گا اور میرے لئے ایک دفعہ پلٹنے کے بعد دوبارہ پلٹنا ہے۔ اور ایک دفعہ رجعت کے بعد دوبارہ رجعت ہے''۔ اور تمام آئمہ حتیٰ کہ قائم علیہ السلام بھی دوبارہ پلٹیں گے کیونکہ ہر مومن کے لئے ایک دفعہ مرنا اور قتل ہونا ہے۔ پس وہ اپنے پہلے خروج میں قتل ہوئے تو ضروری ہے کہ موت تک دوبارہ رجوع کریں۔ اور ابلیس اپنے تمام پیروکاروں کے ساتھ جمع ہوگا اور وہ روحاء کے مقام پر فرات کے قریب جنگ کریں گے اور مومن پیچھے ہٹ جائیں گے حتیٰ کہ ان کے کچھ آدمی فرات میں جاگریں گے اور روایت میں ہے کہ ان کی تعداد تیس ہوگی اور اس وقت اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تاویل آئے گی:

''کیا وہ یہی دیکھ رہے ہیں کہ اُن کے پاس فرشتے اور اللہ بادلوں کے سایہ میں آئے اور معاملہ پورا ہو جائے۔[1]

---

[1] البقرہ: آیت: ۲۰۶

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بادل سے اتریں گے اور اُن کے ہاتھ میں آگ کا ایک خنجر ہوگا جب آپ کو ابلیس دیکھے گا تو بھاگ کھڑا ہوگا۔ اور اس کو اُس کے مددگار کہیں گے کہاں جا رہا ہے؟ اب تو ہمارے لئے غلبہ کا سبب ہے۔ وہ کہے گا کہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں تم نہیں دیکھتے۔ میں اس اللہ سے ڈرتا ہوں جو رب العلمین ہے۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے جا ملیں گے اور اس کی پشت میں تیزہ ماریں گے اور وہ اس کے سینہ سے آر پار ہو جائے گا اور آپ اس کے تمام ساتھیوں کو قتل کر دیں گے۔ پس اس وقت صرف اللہ ہی کو عبادت کی جائیگی اور اس کے ساتھ شرک نہیں کیا جائے گا۔ اور مومن زندہ رہے گا اور اس وقت تک اس کو موت نہ آئے گی جب تک کہ اس کے ایک ہزار نر بچے پیدا نہ ہوں گے اور جب وہ اپنے لڑکے کو کپڑے پہنائے گا تو وہ کپڑے اُس لڑکے کے قد کے ساتھ ساتھ بڑھتے جائیں گے اور ان کا رنگ اس کی مرضی کے مطابق تبدیل ہوگا اور زمین اپنی برکات ظاہر کرے گی اور سردیوں کے پھل گرمیوں میں پیدا ہوں گے اور گرمیوں کے پھل سردیوں میں۔ اور جب پھل درخت سے لے لیا جائے گا تو اس کی جگہ دوسرا اُگ آئے گا اور بالکل مفقود نہ ہوگا۔ اور اس وقت مسجد کوفہ اور اس کے ارد گرد دو سیاہ باغ پیدا ہوں گے اور جب اللہ عالمین کو تباہ کرنے کا ارادہ کرے گا تو محمدؐ وآل محمدؐ کو آسمان کی طرف اٹھا لے گا اور لوگ چالیس دن تک افراتفری میں مبتلا

رہیں گے پھر اسرافیل صور پھونکیں گے جو نفخۃ الصعق کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

یہاں تک ہم نے جو بیان کیا ہے یہ آئمہ اطہار علیہم السلام کی روایات سے منقول ہے اور مومن کو چاہئے کہ وہ ان ذوات مقدسہ کے دوبارہ دنیا کی طرف رجوع کرنے کا عقیدہ رکھے جو کہ ان کی احادیث میں ہے، اس میں مومنین شک نہیں کر سکتے۔ اور ہم نے ''واجب'' کی جگہ لفظ ''چاہیے'' اس لئے استعمال کیا ہے تا کہ ہم بعض علماء کے اختلاف سے بچ جائیں جنہوں نے رجعت سے مراد صرف قیام قائم آل محمدؐ لیا ہے۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ سب کے سب معصوم دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔ یہ احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔ اور یہ دعویٰ قابل توجہ نہیں ہے کہ یہ احادیث احاد ہیں۔ کیونکہ ظاہر قرآن کے علاوہ پانچ سو احادیث اس سلسلہ میں مروی ہیں اور اگر اس صدق پر کچھ بھی نہ ہو تو صرف مخالفین کا اس سے انکار کرنا ہی اس کے حق ہونے کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ بعض معصومؑ ہدایت ان کی مخالفت میں ہے اور اس کے ساتھ زندگیوں، موتوں، رزق، بھاو، وغیرہ اور زندگیوں کے متعلق احکام بھی ملحق کئے جاتے ہیں۔ ''اجل'' کسی شئے کے پیدا ہونے کے وقت کو کہا جاتا ہے اور موت کی اجل یہ ہے کہ دنیا میں انسان کے وجود کی مدت ختم ہو جائے اور جو کچھ اس کے لئے لکھا گیا ہے وہ انتہا کو پہنچ جائے اور یہ موت اور قتل ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

اور موت وہ ہے جو کہ طبعی طریقہ سے حاصل ہو جو کہ سو سال یا اسی سال یا

ایک سو بیس سال ہے جو کہ انسان میں انسانی فصول کے احتمالات کے مطابق ہوتی ہے۔ اور فصل یعنی موسم بہار بیس یا پچیس یا تیس دن کا ہوتا ہے۔ اسی طرح گرمی کا موسم ربیع اور خریف سردی کا موسم۔

پس موت لوح محفوظ میں قلم کے جاری کردہ وقت کے ختم ہونے پر واقع ہوتی ہے۔ یعنی جس قدر دنیا میں اس کے لئے بقاء لکھی ہوئی ہو، اور اسی طرح لوح محفوظ میں نوشتہ رزق، اکل، شرب، ملبوس، علم، فہم وغیرہ۔ پھر اگر مرنیوالا مومن یا خالص کافر ہے تو اس کے لئے لوح محفوظ میں مقررہ مدت مزید لکھی جائیگی جو قیام قائم علیہ السلام یا آنحضرتؐ اور آئمہ اطہار علیہم السلام کی رجعت کے وقت دوبارہ اس کو میسر ہوگی اور جو موت طبعی طریقہ سے نہ ہو تو وہ اس سبب کی وجہ سے واقع ہوگی جو کہ مقتضیٰ موت ہو کیونکہ بسا اوقات انسان ایسی معصیت کا ارتکاب کرتا ہے۔ جو کہ اس کے لئے لکھی ہوئی اجل اور رزق کو منقطع کر دیتی ہے اور اس کی موت واقع ہو جاتی ہے اور اسی قدر باقی رہتا ہے جو اس کے لئے ہو۔ اگر وہ خالص مومن ہو یا خالص کافر، اور جو موت قتل کی وجہ سے ہو تو کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی اجل سے مرتا ہے۔ اور ایک قول ہے کہ اپنی اجل سے قبل مرتا ہے، پھر وہ لوگ یہاں پر اختلاف کرتے ہیں کہ اس کی اجل منقطع ہو جاتی ہے اور وہ اجل سے پہلے مرجاتا ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ قاتل سے دیت کا مستحق قرار نہ پائے گا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اگر وہ قتل نہ کیا جاتا تو چالیس دن تک زندہ رہتا۔ اور ایک قول

ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ اگر وہ قتل نہ ہوتا تو کیا مرجاتا؟ یا زندہ رہتا؟ اور یہاں بعض دیگر اقوال بھی ہیں۔ اور جو کچھ میں نے ائمہ معصومین علیہم السلام کی احادیث سے سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اجل سے قبل ہی مرتا ہے اور اگر وہ قتل نہ ہوتا تو اڑھائی سال مزید زندہ رہتا۔ لیکن رزق، پس وہ، وہ ہے جس سے زندہ نفع اٹھائے، اور اس کے غیر کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس کو اس سے منع کرے اور غیر سے مراد غیر اللہ اور غیر رسول اللہ وغیرہ اہل بیت علیہم السلام ہیں۔ پس اس بنا پر حرام نہیں ہے۔ خود آئمہ اطہار علیہم السلام کی احادیث ہیں اور قرآن ہے۔ مثلاً ارشاد باری ہے:

''اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے وہ اس سے خرچ کرتے ہیں''۔[۱]

پس اللہ نے ان کو رزق کو خرچ کرنے پر اُن کی مدح کی ہے۔ اور اگر وہ حرام ہوتا تو اللہ رزق خرچ کرنے پر ان کی مذمت کرتا۔ کیونکہ حرام یہ ہے کہ غیر کے مال میں اس کے اذن کے بغیر تصرف کیا جائے۔

۱۔ سورہ بقرہ: آیت:۳)۔

اور اسعار یعنی قیمتیں اور بھاؤ وغیرہ، پس رخص یعنی سستا ہونا یہ ہے کہ بھاؤ اس چیز کے مخصوص وقت میں عادۃً جاری قیمت سے گر جائیں اور غلاء یعنی مہنگائی یہ ہے کہ عادۃً جاری ہونے والی قیمتوں سے اُس کے بھاؤ چڑھ جائیں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ سستا و مہنگا ہونا بسا اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اموال کو کم کر دیتا اور لوگوں کی رغبت اُن کی طرف بڑھا دیتا ہے اور بھاؤ چڑھ جاتے ہیں اور کبھی یہ غیر اللہ سے ہوتے ہیں یعنی اسطرح کہ حکمران لوگوں کو اموال لے آنے سے روک دیتے ہیں اور وہ مہنگے ہو جاتے ہین اور بسا اوقات حکمران اُن کو فروخت کرنے سے منع کر دیتے ہیں اور عوام میں ان کی قیمتیں گر جاتی ہیں اور اس سلسلہ میں لوگوں کو پہنچنے والی تکالیف کا عوض ظالم پر عائد ہوتا ہے۔

اور اس میں حق یہ ہے کہ مہنگائی اور سستا ہونا کبھی تو لوگوں کے اعمال کی وجہ سے اللہ کی تقدیر سے ہوتا ہے اور وہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اموال یا اُن کے اسباب وجود کو کم کر دیتا ہے اور یا اہل معاصی کو اُن کے کرتوتوں کی سزا دینے کے لئے ایسا کرتا ہے۔ اور یہ عقوبت ان کو ہوتی ہے جو ان کے ساتھ ہوتے ہیں اگر وہ معصیت نہیں کرتے مگر ان کا ساتھ دیتے ہیں۔ جیسا کہ خداوند عالم کا قول ہے:

''پس تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو حتیٰ کہ وہ دوسری باتوں میں مصروف ہو جائیں ورنہ تم بھی اُن کی مثل ہو گے''۔ [1]

اور بندوں کو اختیار دینے کے لئے ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے کہ:

''تا کہ وُہ میری آزمائش کرے کہ میں شکر کرنے والا ہوں یا ناشکری کرنے والا ہوں''۔ [2]

تا کہ اللہ لوگوں کو کشادگی کی شیرینی چکھنے کا موقع دے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے:

''اور ہم ضرور تمہاری آزمائش کریں گے کچھ خوف، بھوک، اور اموال کی کمی اور پھلوں کی قلت کے ساتھ اور صبر کرنے والوں کو بشارت دو''۔ [3]

---

1. سورہ نساء: آیت: ۱۴۰)۔
2. سورہ نمل: آیت: ۴۰)۔
3. سورہ بقرہ: آیت: ۱۵۵

یا اس لئے تاکہ وہ کشائش پر شکر کرنے والوں اور مصیبت پر صبر کرنے والوں کا درجہ بڑھا دے۔ کیونکہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور اللہ تعالیٰ چور بازاری کرنے والوں کو مہنگائی کرنے سے خود ان کے سپرد کرے اور اشیاء کے سستے ہونے میں اسے اس کے برعکس۔

اور میرا قول یہ ہے کہ ان کے وجود کے اسباب، یعنی اموال کے وجود کے اسباب کو کم کر دیتا ہے۔ اس سے میری مراد ان کے وجود کے اسباب کی قابلیت ہے۔ مثلاً طلب کرنے والوں کی کثرت اور چور بازاری کرنے والوں کی ایجاد، اور بارشوں کا رک جانا اور راستوں کا خوفناک ہو جانا اور راہزنوں کی کثرت وغیرہ، یعنی اللہ اپنی محبت کے مخالفوں کو خود اُن کے سپرد کر کے توفیق سلب کر لیتا ہے حتیٰ کہ اس سے منع کے اسباب پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً گناہ کبیرہ بندوں پر ظلم وغیرہ، پس جو چیزیں مہنگائی کا سبب بنتی ہیں وہ محض اس لئے کہ معبود کے حق میں کوتاہی کی جاتی ہے اور کوتاہی کا مسبب واقع ہو جاتا ہے، کیونکہ مقتضائے کرم، کشائش، ارزانی صرف اس لئے ہے کہ اس مقتضاء کی مخالفت ہو اور یہ مقتضاء مکلفین سے صادر ہونے والی تقصیرات کے موانع کی وجہ سے ہوتا ہے۔

پس اگر تم یہ کہو کہ گرانی اور ارزانی اللہ کی طرف سے اس طرح ہے کہ اس نے مکلفین کی تقصیرات سے اس کے اسباب پیدا کئے ہیں اور اپنی مہربانی سے ارزانی کے اسباب پیدا کئے ہیں، تب بھی تم نے درست کہا اور اگر تم یہ کہو کہ گرانی

اور ارزانی بندوں کے بندوں کے اعمال کے سبب ہے، یعنی اللہ تعالی نے اپنے عدل کے مطابق ان سے گرانی کا سلوک کیا ہے اور ارزانی سے ان کے گناہوں سے تجاوز کیا ہے، تب بھی تم نے درست کہا۔ اور بندوں پر واجب ہے کہ نعمتوں پر اس کا شکر کریں اور اس کے کرم وعدل اور نعمتوں پر اس کی حمت کریں اور ہر حال میں اس کی قدر وقضا، پر راضی رہیں کہ کیونکہ ہر حال بھلائی کا سرپرست ہے۔

اللھم صل علی محمد وآل محمد

☆☆☆